کذباتِ مرزا، از مولوی نور محمد خان صاحب، مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور، ۲۶ صفحے، قیمت ۴ر

یہ معنوی اعتبار سے ایک دلچسپ رسالہ ہے، اس میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی تصنیفات اعلانات اور اشتہارات سے ایسے گھڑے ہوئے (۲۰۵) احادیث، آثار اور اقوال وغیرہ جمع کئے گئے ہیں، جن کے حوالے میں مرزا صاحب نے اپنی تصنیفات وغیرہ میں مختلف کتابوں کے نام لکھے تھے، مگر وہ احادیث، آثار و اقوال نہ صرف ان حوالہ دی ہوئی کتابوں میں موجود نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر مرزا صاحب کی کتابوں کے علاوہ مؤلف کے بیان کے مطابق دنیا کی کسی کتاب میں بھی موجود نہیں ہیں، اور بلکہ بعض مقامات پر بعض قادیانی مناظروں کا یہ تحریری اعتراف بھی درج کیا ہے، کہ مثلاً "بخاری کے حوالہ کا ذکر سبقتِ قلم ہے، اسے کذب قرار دینا ظلم ہے، (تجلیاتِ رحمانیہ ص ۸۹)" افسوس ہو کہ تحریر کا لب ولہجہ کسی قدر تیز اور مناظرانہ ہو، ورنہ یہ رسالہ احمدیت و قادیانیت کے رد کی ایک بہترین کڑی بن سکتا ہے،

صحت الاغلاط، مرتبہ جناب میر احمد علی خان صاحب حیدرآبادی، ۴۸ صفحے،

اس رسالہ میں چند ایسے الفاظ کی تصحیح کی گئی ہے، جو عوام میں غلط بولے اور لکھے جاتے ہیں اس کا مطالعہ مبتدیوں کیلئے مفید ہوگا،

بچوں کا تحفہ (حصہ اول و دوم) از جناب محمد شفیع صاحب تیز استاذ موڈرن ہائی اسکول نمبر ۲ کوچہ تارا چند دہلی حجم ہر دو حصہ تقریباً ۲۰ صفحے، تقطیع چھوٹی،

بچوں کی تعلیم و تربیت کا ایک ذریعہ مفید نظمیں بھی ہیں، مؤلف نے اس ذریعہ کو مناسب طریقہ سے استعمال کیا ہے، اور چھوٹے بچوں کیلئے دلکش اور مصور سر ورق پر دو حصوں میں بچوں کا تحفہ تیار کرکے شائع کیا ہے، بچوں کی عمر و استعداد کا لحاظ کرکے پہلے حصہ سے دوسرے حصہ میں زبان اور معلومات کا ذخیرہ تدریجاً بڑھایا ہے، نظموں کی زبان سادہ، سلیس اور بچوں کی عمر و استعداد کے مناسب ہے، امید ہے کہ یہ بچوں کے لئے ان کا واقعی دل بہلانے والا تحفہ ثابت ہوگا،

"س"

جلد ۳۵ | ماہ صفر ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۵ء | عدد ۶

مضامین

شذرات

مولوی حاجی سر رحیم بخش مرحوم نے اس مہینہ ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء کو اسی برس کے قریب عمر پاکر اپنے وطن ٹھسکہ میرانجی ضلع کرنال میں وفات پائی، انھوں نے اسکول کے ایک معمولی مدرس عربی و فارسی کی حیثیت سے ملازمت شروع کی، اور ترقی کرکے چیفس کالج لاہور کے بورڈنگ کے سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے، یہیں موجودہ ہزہائنس نواب صاحب بہاولپور کے والد مرحوم زیر تعلیم تھے، اور اُن کی نگرانی میں تھے، ممدوح الشان جب مسندنشین ہوئے تو اپنے لائق اتالیق کی دیانت و محنت و جفاکشی کو دیکھ کر اپنی سرکار میں ایک اعلیٰ عہدہ پر رکھ لیا، یہاں بھی انھوں نے خوبی سے کام انجام دیا، جس کی وجہ سے سرکار برطانیہ اور سرکار بہاولپور دونوں کو ان پر برابر کا اعتبار ہوگیا، اس لئے نواب ممدوح کی وفات اور نواب حال کی نابالغی میں وہ مجلس نیابت کے صدر مقرر ہوئے، اور بڑی عزت و ہر دلعزیزی حاصل کی، اسکے بعد ریاست سے پنشن پائی، اور قومی و ملکی کاموں میں مصروف رہنے لگے،

غربت سے امارت، اور معمولی درجہ سے اعلیٰ رتبہ تک ترقی کی مثالیں دنیا میں کم نہیں لیکن ایسی مثالیں کہ ادنیٰ سے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچنے کے بعد بھی اسکو اپنی پہلی حالت فراموش نہ ہو، اور اس نعمت کے شکرانہ میں دینی و قومی خدمات میں انہماک زندگی کا فرض قرار پاجائے بہت کم ہیں، مرحوم کی سب سے بڑی خوبی یہی تھی، ندوۃ العلماء کو بہاولپور میں جو کامیابی ہوئی، وہ تمامتر مرحوم ہی کے اخلاص کا نتیجہ تھی، ندوۃ العلماء کے ارکان نے ان کے ان خدمات کی قدر پہچان کر ان کو سرپرست و حامی ندوۃ العلماء کا منصب دیا تھا، اخیر زمانہ میں انھوں نے تبلیغی کاموں میں دلچسپی لی، اور اپنی دولت کا اچھا خاصہ حصہ نیک کاموں میں خرچ کیا، انکی زندگی سادہ تھی، اور ہمیشہ سادہ رہی، مولٰنا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، اس لئے وہ علمائے ہند کا

بھی ادب کرتے تھے، مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے ممبر بھی تھے اس لئے وہاں بھی ان کو خدمت کا موقع ملا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال حسنہ کو قبول فرماکر ان کو اپنی مغفرت کی عزت سے نوازے،

اسوقت ملک کی دو زبانیں، **ہندی** اور **ہندوستانی** (اردو) ملک کی عمومی زبان بننے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوششیں کر رہی ہیں، جہانتک ہندی کا تعلق ہے اسمیں شک نہیں کہ وہ اپنے حامیوں کی اُن تھک کوششوں کی ممنون ہے، ایک زبان جو صرف چند مذہبی کتابوں میں تھی، انگریز دور اندیشون کی قوت فکر سے وہ کلکتہ کے فورٹ ولیم میں سب سے پہلی دفعہ ہندوستانی کے بالمقابل رکھکر ایک کی دوسری زبان کی حیثیت سے رواج پائی، اور کچھ دنوں کے بعد وہ دونوں مسلمان اور ہندو کی الگ الگ زبان کی حیثیت سے باہم حریف پہلوانوں کی صورت میں نظر آنے لگیں، پھر صوبہائے متحدہ کے انگریز حاکموں اور ہندو کارکنوں کی کوششوں نے اتنی کامیابی حاصل کی کہ وہی زبان جس کے جاننے والے اور پڑھنے والے اس صوبہ سے باہر نہ تھے، وہ اب پورے ملک کی زبان بننے کا دعویٰ کر رہی ہے، اسکی اشاعت کی مرکزی انجمنیں ہیں، صوبہ صوبہ میں اسکی شاخیں ہیں، اہل دولت اسکی مدد کر رہے ہیں، اور اہل قلم اسکو پھیلا رہے ہیں، اب ایک طرف وہ کشمیر، دوسری طرف راجپوتانہ، تیسری طرف بڑودہ گجرات اور چوتھی طرف مدراس میں اپنے قدم جمارہی ہے، اور ہندو ریاستیں، اسکی سرپرستی میں نمایاں حصہ لے رہی ہیں،

اس کے بالمقابل ہندوستانی (اردو) کیلئے اُسکے حامی کچھ نہیں کر رہے ہیں، نہ اس کیلئے تبلیغی انجمنیں ہیں نہ اسکی اشاعت کیلئے صوبہ صوبہ میں شاخیں ہیں، نہ اس مقصد پر کسی صوبہ میں ایک پیسہ کوئی خرچ کر رہا ہے، اور نہ حیدرآباد دکن کے سوا کوئی اسلامی ریاست اسکے لئے کچھ کر رہی ہے، نہ ان صوبوں میں جہاں وہ مادری زبان نہیں اسکے سکھانے اور پڑھانے کیلئے اعزازی یا تنخواہ یاب معلم ہندی کی طرح دورے کر رہے ہیں، تاہم یہ واقعہ ہے کہ وہ لوگوں کی ضرورت کے مطابق ہونے کے سبب سے ہندوستان کے ہر صوبہ میں، بلکہ ہندوستان سے باہر بھی پھیلتی جارہی ہے، اور یہی چیز ہے جو اسکی زندگی کی ضامن اور اسکی یقینی کامیابی کی کفیل ہے،

سرکار دکن اس زبان کے لئے جو کچھ کر رہی ہے اسکا سبب یہ نہیں ہے، کہ یہ مسلمانوں کی زبان ہے، بلکہ اس لئے یہ کر رہی ہے کہ وہ ایسی مملکت پر حکمران ہے جہاں پہلے بھی بکثرت چھوٹی چھوٹی مقامی بولیاں رائج تھیں اور اب بھی ہیں، ان مختلف بولیوں والی سرزمین کو ایک واحد مملکت کی صورت میں بدلنا جس کی ہر سلطنت کو اپنے قیام اور بقا کے لئے ضرورت ہے، نہ تو وہاں کے مذاہب اور مذہبی فرقوں کو زبردستی ایک کر دینے سے ہو سکتا ہے، نہ تمدن و معاشرت کی یکسانی اس کو ایک کر سکتی ہے، نہ تمام قومیتوں کو ایک قوم کی صورت میں بدل دیا جا سکتا ہے، اسلئے سب سے آسان، سب سے کم خرچ، اور سب سے بے ضرر جو صورت ہے وہ یہی ہے کہ کم از کم پوری مملکت کی ایک تعلیمی و سرکاری زبان ہو، جسمیں اس ملک کا علمی سرمایہ بھی محفوظ رہے،

ہندوستانی زبان وہاں کوئی بیرونی زبان نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ایسی زبان ہے جو وہاں کی مختلف بولیوں کے سبب سے وہیں بتقاضائے بشری بڑھی، پھیلی، اور علمی و ادبی قالب میں ڈھلی، اور دکھنی کہلائی، اس لئے یہ ایک ایسی زبان ہے جس کو اس ملک دکن سے خاص تعلق ہے، بلکہ بزرگوں کے بقول یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ وہیں کی پیدا وار ہے، اور وہیں سے دوسرے صوبوں اور ملکوں میں اسکی ادبی اور علمی حیثیت قابل قبول ہوئی، اور اسی لئے سرکار دکن پر اس کی قدر دانی فرض، اور اسکی ترقی کی کوشش واجب ہے، اور اسی لئے وہ اپنے اسی قدیم فرض کو ہمیشہ کی طرح آج بھی انجام دے رہی ہے،

ہندی نہ تو اندور کی زبان ہے، نہ کشمیر کی، نہ بڑودہ کی، نہ گوالیار کی، نہ مدراس کی، یہ ایک خاص صوبہ کی شاعری کی قدیم زبان تھی جس کو پورے ملک کی عام زبان بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے، اور اب دیہاتی اور تحصیلی مکتبوں اور اسکولوں سے لیکر یونیورسٹی تک میں اسکے لئے کوششیں کیجا رہی ہیں اور اسطرح ملک میں دو مختلف زبانیں پیدا کر کے آیندہ کے لئے ہندوستان میں دو ایسی مختلف قومیں بنائی جا رہی ہیں جنمیں باہم ملنے جلنے، سمجھنے بوجھنے، اور بولنے چالنے کا بھی وہ موقع نہ ہوگا، جو آج اس وقت بھی باقی ہے، اور اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ فورٹ ولیم کلکتہ میں جو بیج لگایا گیا تھا اب وہ پورا تناور درخت بنجانے والا ہے،

مقالات

صبر کا قرآنی مفہوم

(۲)

ثابت قدمی بنی اسرائیل مصر و شام و کنعان کی آس پاس بسنے والی بت پرست قوموں سے تعداد میں بہت کم تھے، لیکن جب انھوں نے ہمت دکھائی، اور بہادرانہ استقامت، صبر اور ثابت قدمی سے مقابلے کئے تو ان کی ساری مشکلیں حل ہو گئیں، اور کثیر التعداد دشمنوں کے نرغہ میں پھنسے رہنے کے باوجود ایک مدت تک خود مختار سلطنت پر قابض اور دوسری قوموں پر حکومت کرتے رہے، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی اس کامیابی کا راز اسی ایک لفظ صبر میں ظاہر کیا ہے، فرمایا:-

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا	اور ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے
يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ	اس زمین کی وراثت بخشی جس میں ہم نے
وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَ	برکت نازل کی ہے، اور تیرے پروردگار
تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى	کی اچھی بات بنی اسرائیل کے حق میں
عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا	ان کے صبر و ثبات کے سبب سے پوری
وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ	ہوئی، اور ہم نے فرعون اور اس کی
وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ (اعراف-١٦)	قوم کے کاموں کو اور تعمیروں کو برباد کیا

اس سے ظاہر ہوا کہ بنی اسرائیل جیسی کمزور قوم فرعون جیسی طاقت کے سامنے اس لئے

سربلند ہوئی کہ اس نے صبر اور ثابت قدمی سے کام لیا، اور اسی کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے انکو شام کی بابرکت زمین کی حکومت عطا فرمائی، چنانچہ اسی کی تصریح اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے موقع پر فرمائی،

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ، (سجدہ - ۳)

اور بنی اسرائیل میں سے ہم نے ایسے پیشوا بنائے، جو ہمارے حکم سے راہ دکھاتے تھے جب انھوں نے صبر کیا اور ہمارے حکموں پر یقین رکھتے تھے،

آیتِ بالا نے بنی اسرائیل کی گذشتہ پیشوائی کے دو سبب بیان کئے ہیں، ایک احکامِ الٰہی پر یقین، اور دوسرے ان احکام کی بجا آوری میں صبر و ثبات قدم، یہی دو باتین دنیا کی ہر قوم کی ترقی کا سنگِ بنیاد ہیں، پہلے اپنے اصول کے صحیح ہونے کا بشدت یقین، اور پھر ان اصول کی تعمیل میں ہر قسم کی تکلیفوں اور مصیبتوں کو انگیز کرنا، اور خوشی خوشی جھیل لینا،

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو فتح نہیں ہوتی، بلکہ ستر مسلمان خاک و خون میں لتھڑ کر راہ خدا میں جانیں دیتے ہیں، بعض مسلمانوں میں اس سے افسردگی پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے اس حزن و ملال کے ازالہ کے لئے پچھلے پیغمبرون کی روداد زندگی ان کو سناتا ہے،

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ، فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ، وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

اور کتنے پیغمبر ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے خدا کے طالب لڑے ہیں، پھر خدا کی راہ میں تکلیف اٹھا کر انھون نے ہمت نہیں ہاری، اور نہ اُن کا دل بودا ہوا، اور اللہ ثابت رہنے والوں (صابرین) کو دوست رکھتا ہے، اور

ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ، (آل عمران - ۱۵)

وہ یہی کہتے رہے کہ اے ہمارے پروردگا ہمارے گناہون کو اور کام مین ہماری زیادتی کو معاف کر، اور ہمارے قدم ثابت رکھ، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما،

اس آیتِ پاک نے غلط فہمیوں کے ان تو بر تو پردوں کو چاک کر دیا ہے جو صبر کی اصل حقیقت کے چہرہ پر پڑے ہیں، اور بتا دیا کہ صبر دل کی کمزوری، بے بسی کی خاموشی، اور بیکسی کے مجبورانہ درگذر کا نہیں، بلکہ دل کی انتہائی قوت، ہمت کی بلندی، عزم کی استواری اور مشکلات اور مصائب کو خدا کے بھروسہ پر خاطر میں نہ لانے کا نام ہے، ایک صابر کا کام یہ ہے، مخالف حادثوں کے پیش آجانے پر بھی وہ دل برداشتہ نہ ہو، ہمت نہ ہارے اور اپنے مقصد پر جا رہے، اور خدا سے دعا کرتا رہے کہ وہ اس کی گذشتہ ناکامی کے قصور کو جو اسی کی کمی (ذنب) یا زیادتی (اسراف) سے سرزد ہوا ہے، معاف فرمائے، اور اس کو مزید ثبات قدم عطا کرکے حق کے دشمنوں پر کامیابی بخشے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کامیابی کے حصول کے لئے مسلمانوں کو دو باتوں کی تاکید فرمائی، ایک تو خدا کی طرف دل لگانا، اور دوسرے مشکلات پر صبر و استقامت سے قابو پانا،

دنیا کی فتحیابی کے ساتھ آخرت کا عیش بھی جس کا نام جنت ہے انھیں کے حصہ میں ہے، جن کو یہ پامردی، دل کی مضبوطی، اور حق پر ثباتِ قدم کی دولت ملی، حق کی راہ میں مشکلات کے پیش آنے کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ ان سے کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے، اور دونوں الگ الگ معلوم ہونے لگتے ہیں، چنانچہ فرمایا،

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ

کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت مین چلے جاؤ گے،

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ، (آل عمران - ۱۴)

اور ابھی اللہ نے (آزما کر) ان کو الگ نہیں کر دیا جو لڑنے والے ہیں اور جو ثابت قدم (صابر) ہیں،

ضبط نفس: اشخاص اور قوموں کی زندگی میں سب سے نازک موقع وہ آتا ہے، جب وہ کسی بڑی کامیابی یا ناکامی سے دو چار ہوتی ہیں، اس وقت نفس پر قابو رکھنا، اور ضبط سے کام لینا مشکل ہوتا ہے، مگر یہی ضبط نفس کا اصلی موقع ہوتا ہے، اور اسی سے اشخاص اور قوموں میں سنجیدگی، متانت، وقار اور کیرکٹر کی مضبوطی پیدا ہوتی ہے، دنیا میں غم و مسرت اور رنج و راحت توام ہیں، ان دونوں موقعوں پر انسان کو ضبط نفس اور اپنے آپ پر قابو کی ضرورت ہے، یعنی نفس پر اتنا قابو ہو کہ مسرت اور خوشی کے نشہ میں اس میں فخر و غرور پیدا نہ ہو، اور غم و تکلیف میں وہ اداس اور بد دل نہ ہو، ان دونوں اخلاقی عیبوں کا علاج صبر و ثبات اور ضبط نفس ہے، انسانی فطرت کے راز دار کا کہنا ہے

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ اِنَّهُ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ، وَلَئِنْ اَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ اِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ، (ھود - ۲)

اور اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے کسی مہربانی کا مزہ چکھائیں، پھر اس سے اسکو اتار لیں تو وہ ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی مصیبت کے بعد اسکو نعمت کا مزہ چکھائیں، تو کہتا ہے کہ برائیاں مجھ سے دور ہو گئیں، بیشک وہ شادان اور نازان ہے، لیکن وہ جنھوں نے صبر (یعنی نفس پر قابو) رکھا اور اچھے کام کئے، یہ لوگ ہیں جن کیلئے معافی اور بڑا انعام ہے،

ہر طرح کی تکلیف اٹھا کر فرض کو ہمیشہ ادا کرنا: ہنگامی واقعات اور وقتی مشکلات پر صبر و پامردی سے ایک معنی بڑھ کر وہ صبر ہے جو کسی فرض کو عمر بھر پورے استقلال اور مضبوطی سے ادا کرنے میں ظاہر ہوتا ہے، اسی لئے مذہبی فرائض و احکام کو جو بہر حال نفس پر سخت گذرتے ہیں عمر بھر پوری مضبوطی سے ادا کرتے رہنا بھی صبر ہے، ہر حال، اور ہر کام میں خدا کے حکم کی فرمانبرداری، اور عبودیت پر ثبات نفس انسانی کا سب سے بڑا امتحان ہے، اسی لئے حکم ہوا،

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ، (مریم - ۴)

آسمانوں کا پروردگار، اور زمین کا، اور جو ان دونوں کے بیچ میں ہے سب کا تو اسکی بندگی کر اور اسکی بندگی پر ٹھہرا رہ (صبر کر)

ایک اور آیت میں نماز پڑھتے رہنے اور اپنے اہل و عیال پر بھی اس کی تاکید رکھنے کے سلسلہ میں ہے

وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا، (طٰہٰ - ۸)

اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کر، اور آپ اس پر قائم رہ،

یعنی تمام عمر یہ فریضہ پابندی کیساتھ ادا ہوتا رہے،

حسب ذیل آیتوں میں غالبًا صبر اسی مفہوم میں ہے، وہ لوگ جو خدا کے سامنے حاضری کے دن سے ڈرا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کو خوشخبری سناتا ہے،

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا، (دھر - ۱)

تو اللہ نے ان کو اس دن کی برائی سے بچا لیا اور ان کو ترو تازگی و شادمانی سے ملایا، اور اُن کے صبر کرنے (یعنی احکام الٰہی پر ٹھہرے رہنے) کے سبب باغ اور ریشمی لباس بدلہ میں دیا،

وہ لوگ جو خدا کی بارگاہ میں توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک کام کریں، فریب کے کاموں میں شریک نہ ہوں، بیہودہ اور لغو کاموں کے سامنے سے ان کو گذرنا پڑے تو بزرگی کے رکھ رکھاؤ سے گذر جائیں، اور خدا کی باتوں کو سنکر اطاعت مندی سے اسکو قبول کریں اور اپنی اور اپنی اولاد کی بہتری اور پیشوائی کی دعائیں مانگیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کی یہ بشارت سناتا ہے،

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا، (فرقان-۶)

اُن کو بہشت کا جھروکہ بدلہ میں ملیگا کہ وہ صبر کرتے رہے،

ان دونوں آیتوں میں صبر کا مفہوم یہی ہے کہ نیک کاموں کو بارِ خاطر، خلافِ طبع، اور تکلیف و مشقت ہونے کے باوجود خوشی خوشی عمر بھر کرتے رہے، اور بری باتوں سے باوجود اس کے کہ ان میں ظاہری خوشی و لذت، اور آرام و راحت ہو بچتے رہے، راتوں کو نرم بستروں سے اٹھکر خدا کے آگے سربسجود ہونا، صبح کو خواب سحر کی لذت سے کنارہ کش ہوکر دوگانہ ادا کرنا، الوانِ نعمت کی لذتوں سے محروم ہوکر روزے رکھنا، تکلیف و مشقت ہونے کے باوجود خطرناک موقعوں پر بھی سچائی سے باز نہ آنا، قبولِ حق کی راہ میں شدائد کو آرام و راحت جانکر جھیل لینا، سود کی دولت سے ہاتھ اٹھالینا حسن و جمال کی بے قید لذت سے متمتع نہونا، غرض شریعت کے احکام کی بجاآوری اور پھر اس پر عمر بھر استواری اور پائداری، صبر کی بہت ہی کڑی منزل ہے، اور اسی لئے ایسے صابروں کی جزا بھی خدا کے ہاں بھاری ہے،

ان آیاتِ پاک کی اس تشریح میں وہ حدیث یاد آتی ہے، جسمیں آنحضرت صلعم نے فرمایا،

حجبت (حُفّتِ) الجنة بالمکارہ وحجبت (حفّتِ) النار بالشہوات (صحیح بخاری کتاب الرقاق و صحیح مسلم کتاب الجنۃ)

جنت ناخوشی کے کاموں، اور دوزخ نفسانی لذتوں کے کاموں سے ڈھانپی گئی ہے،

یعنی نیکی کے وہ تمام ثواب کے کام جنکا معاوضہ جنت ہے، اس وقت دنیا میں ان کا کرنا نفس پر شاق گذرتا ہے، اور گناہوں کے کام جن کی سزا میں دوزخ ہے، اس وقت دنیا میں وہ بڑے پرلطف اور لذت بخش معلوم ہوتے ہیں، اب اس عارضی و ہنگامی ناخوشی و لذت کی پروا کئے بغیر احکامِ الٰہی کی پیروی کرنا بڑے صبر اور برداشت کا کام ہے، کسی قارون کے خزانہ، مال و دولت کی فراوانی، اور اسبابِ عیش کی بہتات کو دیکھکر اگر کسی کے منھ میں پانی نہ بھرآئے، اور اس وقت بھی مال حرام کی کثرت کی لالچ کے بجائے، مالِ حلال کی قلت کو صبر کرکے خوشی کے ساتھ برداشت کرے، تو یہ بڑی قوت کا کام ہے، جو صرف صابروں کو ملی ہے،

حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں جو قارون تھا، اس کے مال و دولت کو دیکھکر بہت سے ظاہر بین لالچ میں پڑ گئے، لیکن جنمیں صبر و برداشت کا جوہر تھا، ان کی چشم بینا اس وقت بھی کھلی ہوئی تھی، اور ان کو نظر آتا تھا کہ یہ فانی اور آنی جانی چیز کے دن کی ہے، خدا کی وہ دولت جو نکوکاروں کو بہشت میں ملیگی وہ لازوال، غیر فانی اور جاودانی ہے،

قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا وَلَا يُلَقّٰهَآ إِلَّا الصّٰبِرُونَ، (قصص-۸)

جو لوگ حیاتِ دنیاوی کے خواہان تھے وہ بولے اے کاش ہمارے پاس بھی وہ ہوتا جو قارون کو دیا گیا، وہ بڑا خوش قسمت ہے، اور جنھیں علم ملا تھا، انھوں نے کہا، تمہارا برا ہے، اللہ کی جزا اس کیلئے جو ایمان لایا، اور نیک کام کئے، سب سے اچھی چیز ہے، اور اس حقیقت کو وہی پا سکتے ہیں جو صابر ہیں،

یہ اجر اور جزا بہتر سے بہتر ہوگی، کیونکہ یہ اس خزانہ سے ملیگی جو لازوال اور باقی ہے،

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ، وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (نحل-۱۳)

جو تمہارے پاس ہے وہ چک جائیگا، اور جو خدا کے پاس ہے وہ رہ جانے والا ہے اور یقیناً ہم اُنکو جنھوں نے صبر کیا، اُنکی مزدوری ان کے بہتر کاموں پر دینگے،

ایک اور جگہ فرمایا کہ نمازیں ادا کیا کرو، کہ نیکیاں بدیوں کو دھو دیتی ہیں، اس پیغام میں نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے نصیحت اور یاد دہانی ہے،

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ، (هود-۱۰)

اور صبر کر، کہ بے شبہہ اللہ نیک کام کرنے والوں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا،

صبر کے فضائل اور انعامات

یہ مزدوری کتنی ہوگی؟ یہ حد اور شمار سے باہر ہوگی، کیونکہ یہ صبر ہر نیکی کی جڑ اور ہر حسن عمل کی بنیاد ہے، اس لئے

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ، (زمر-۲)

صبر کرنے والوں کو تو ان کی مزدوری بے حساب ملیگی،

جن محاسن اور محامد صفات، اور اعلیٰ اخلاق کا درجہ اس دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ ہے ان میں صبر و برداشت والے اہل جوہر کا بھی شمار ہے، یہ اُن کے گناہوں کا کفارہ، اور بڑے اجر و ثواب کا موجب ہے، فرمایا،

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ

بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی

وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا، (احزاب-۵)

عورتیں، اور محنت سہنے والے مرد (صابرین) اور محنت سہنے والی عورتیں (صابرات) اور (خدا کے سامنے) جھکنے والے مرد اور جھکنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور خدا کو بہت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان کے لئے تیار رکھی ہے معافی اور بڑی مزدوری،

اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ صبر کا مرتبہ بڑی بڑی نیکیوں کے برابر ہے، اس سے انسان کی پچھلی غلطیاں حرف غلط کی طرح مٹ جاتی ہیں، اور دین و دنیا کی بڑی سے بڑی مزدوری صبر کا معاوضہ ہے یہی بشارت ایک اور آیت میں بھی ہے،

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ،

(جنت اور خدا کی خوشنودی انکو حاصل ہوگی) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لاچکے، ہمارے گناہوں کو معاف کر اور ہمکو دوزخ کے عذاب سے بچا، اور صبر کرنے والے (یعنی مشکلات کی محنت کو اٹھانے والے) اور سچ

بولنے والے اور بندگی میں لگے رہنے والے

اور (خدا کی راہ میں) خرچ کرنے والے اور (آل عمران - ۲)

پچھلی راتوں کو خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے والے

اس آیت میں ایک عجیب نکتہ ہے، اس خوش قسمت جماعت کے اوصاف کا آغاز بھی دعا سے اور خاتمہ بھی دعا پر ہے، اور ان دونوں کے بیچ میں اُن کے چار اوصاف گنائے ہیں، جن میں پہلا درجہ صبر یعنی محنت سہارنے، تکلیف جھیلنے، اور پامردی دکھانے کا ہے، دوسرا راستی اور راست بازی کا، تیسرا خدا کی بندگی و عبودیت کا، اور چوتھا راہِ خدا میں خرچ کرنے کا،

فتح مشکلات کی کنجی صبر و دعا

بعض آیتوں میں ان تمام اوصاف کو صرف دو لفظوں میں سمیٹ لیا گیا ہے، دعا، اور صبر، اور فرمایا گیا ہے کہ یہی دو چیزیں مشکلات کے طلسم کی کنجی ہیں، یہود جو آنحضرت صلعم کے پیغام کو قبول نہیں کرتے تھے، اس کے دو سبب تھے، ایک یہ کہ ان کے دلوں میں گداز اور تاثر نہیں رہا تھا، اور دوسرے یہ کہ پیغام حق قبول کرنے کے ساتھ ان کو جو جانی و مالی دشواریاں پیش آتیں یہ عیش و عشرت اور ناز و نعمت کے خوگر ہو کر ان کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، اسی لئے محمد رسول اللہ صلعم کی طب روحانی نے ان کی بیماری کے لئے یہ نسخہ تجویز کیا،

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ — اور صبر (محنت اٹھانے) اور دعا مانگنے سے قوت پکڑو،

(بقرہ - ۵)

دعا سے اُن کے دل میں اثر، اور طبیعت میں گداز پیدا ہوگا اور صبر کی عادت سے قبول حق کی راہ کی مشکلیں دور ہونگی، ہجرت کے بعد جب قریش نے مسلمانوں کے برخلاف تلواریں اٹھائیں، اور مسلمانوں کے ایمان کے لئے اخلاص کی ترازو میں تلنے کا وقت آیا تو یہ آیتیں نازل ہوئیں،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِينَ، وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ، وَبَشِّرِ الصّٰبِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ،

اے ایمان والو! صبر (ثابت قدمی) اور دعا سے قوت پکڑو، بیشک اللہ صبر والوں (ثابت قدم رہنے والوں) کے ساتھ ہے، اور جو خدا کی راہ میں مارے جاتے ہیں انکو مردہ نہ کہو، بلکہ زندہ ہیں، لیکن تم کو خبر نہیں اور ہم تمکو کسی قدر خطرہ اور بھوک، اور مال و جان اور پیداوار کے کچھ نقصان سے آزمائیں گے، اور صبر والوں (یعنی ثابت قدم رہنے والوں) کو خوشخبری سنا دو، جن کو جب کوئی مصیبت پیش آئے تو کہیں کہ ہم اللہ کے ہیں، اور ہم کو اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہی یہ لوگ ہیں، ان پر ان کے پروردگار کی شاباشیں اور مہربانیاں ہیں، اور یہی ہیں ٹھیک راہ پر،

(بقرہ - ۱۹)

ان آیات نے بتایا کہ مسلمانوں کو کیونکر زندہ رہنا چاہئے، جان و مال کی جو مصیبت پیش آئے اس کو صبر، ضبط نفس، اور ثابت قدمی سے برداشت کریں، اور یہ سمجھیں کہ ہم خدا کے محکوم ہیں، آخر بازگشت اسی کی طرف ہوگی، اس لئے حق کی راہ میں مرنے اور مال و دولت کو لٹانے سے ہم کو دریغ نہ ہونا چاہئے، اگر اس راہ میں موت بھی آجائے تو وہ حیات جاوید کی بشارت ہی ہے،

اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ اسلام میں صبر کی حقیقت کیا ہے، اور اشخاص اور قوموں کی زندگی میں اس کی اہمیت کتنی ہے؟

آنحضرت صلعم کا خط

(قیصر روم کے نام)

از

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایم اے (عثمانیہ) پی ایچ ڈی (جرمنی) ڈی لٹ (پیرس)

آغازِ اسلام کے وقت شام کا زرخیز علاقہ بیزنطینی سلطنت کے ماتحت تھا، اس کے جنوب میں جزیرہ نمائے عرب کی سرحد پر بہت سے بدوی قبائل بستے تھے، جو آزاد تو تھے، لیکن بیزنطینی اثرات ان پر کارفرما تھے، انھیں قیصرِ روم کی جانب سے معقول معاش مقرر تھی[1]، اس کے معاوضے میں وہ حاجز کا کام دیتے، اور خانہ بدوش عربوں کو بیزنطینی علاقے پر چھاپہ مارنے سے روکتے تھے،

عرب بہت قدیم زمانے سے شام کے ساتھ تجارتی تعلقات رکھتے تھے، اور ہر سال گرمی کے موسم میں ان کے کاروان اور قافلے شام پہنچتے تھے،

ایرانی اور بیزنطینی سلطنتوں میں نسلاً بعد نسل سے برابر جنگ کا سلسلہ جاری تھا، اور آنحضرت صلعم کی بعثت کے وقت تو اس میں اور تیزی پیدا ہو گئی تھی، اس سے متحاربین میں سے کسی کو بھی کیا فائدہ پہنچتا، دونوں روز

[1] De Goeje Memire sur La conquete de La Syrie 2e ed., P.29. DEA Prnicephore Cpolitane de rebus post Mauricium gertise p. 27.

بروز کمزور ہوتے ہی چلے گئے، ہجرت نبوی سے کچھ پہلے ۶۱۳ء تا ۶۱۶ء میں ایرانی فوجوں نے دمشق، بیت المقدس اور اسکندریہ پر قبضہ کر لیا، مگر ہجرت کے پانچویں سال ۶۲۷ء میں نینوہ کے مقام پر ایرانیوں کو کچھ ایسی زبردست اور مکمل شکست ہوئی، کہ لڑائی کا پانسہ ہی پلٹ گیا، اور بیزنطینیوں نے نہ صرف اپنا کھویا ہوا سب علاقہ واپس لے لیا، بلکہ حریف سے من مانی شرطیں بھی منوا لیں[1]،

مسلمان مورخ[2] بیان کرتے ہیں، کہ ۶ھ کے اواخر میں آنحضرت صلعم نے بیزنطینیوں کے سردار (عظیم الروم) کے نام ایک نامہ بھیجا[3]، اور سفیر کو حکم دیا، کہ شہر بُصری (علاقہ حوران) کے حاکم کے حوالے وہ خط کر دے، گورنر بصری نے اس کا انتظام خود کیا[4]، کہ وہ خط قیصر ہرقل کے پاس جو ان دنوں ایشیائے کوچک میں مقیم تھا، بھیج دے،

اگرچہ گولٹ سی ہر[5] جیسے مولفوں کو اس واقعے کی صداقت کے تسلیم کرنے میں تامل نہیں لیکن ہم یہاں ان اعتراضات کی چھان بین کریں گے، جو مختلف یورپی علماء کی طرف سے اٹھائے گئے ہیں،

[1] Noldeke Encycolopaedia Britannica s.v. Persia

[2] مثلاً تاریخ طبری ص (۱۵۵۹) [3] آنحضرت صلعم کے اس مکتوب کا متن حسب ذیل کتابوں میں ملتا ہے:-
صحیح بخاری کتاب نمبر ۱ باب نمبر ۶، کتاب نمبر ۵۶ باب نمبر ۱۰۲، کتاب نمبر ۶۵، باب نمبر ۳ حدیث نمبر ۴، تاریخ طبری ۱۵۶۵، مسند احمد بن حنبل جلد نمبر ۱ ص ۲۶۳، جلد نمبر ۳ صفحہ ۴۴۱، تاریخ یعقوبی جلد دوم ص نمبر ۸۴، صبح الاعشیٰ مولفہ قلقشندی جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۷۶، مفید العلوم و مبید الہموم مولفہ قزوینی، باب ہشتم نمبر ۱، زاد المعاد، مولفہ ابن القیم، جلد نمبر ۳ ص نمبر ۶۰، رسالت نبویہ مولفہ عبد المنعم خان نمبر ۱۱۶، وغیرہ وغیرہ، [4] صحیح بخاری کتاب نمبر ۱ باب نمبر ۶ نیز کتاب نمبر ۵۶، باب نمبر ۱۰۲،

[5] Goldziher: die Religion des Islams (Kultur den Gegenwart I.III Teubner 1906.) P.96.

چنانچہ سویڈن کے مشہور مؤلف بول[1] نے آنحضرت صلعم کی سیرت لکھتے ہوئے ان خطوط کا بھی ذکر کیا ہے جو ہمسایہ فرمانرواؤں کے نام تبلیغ اسلام کی غرض سے بھیجے گئے تھے، مگر اسے اس واقعہ کی صحت میں شبہ ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ مسلمان مورخوں کی روایت کے بموجب آنحضرت صلعم کے فرستادہ سفیر معجزانہ طور سے ان ممالک کی زبانیں بولنے لگ گئے، جہاں انھیں بھیجا گیا تھا، یہ قصہ اصل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے متعلق مشہور ہے، کہ انھیں دنیا کے مختلف حصّوں میں جانے کے لئے نامزد کیا گیا، اور اون کے عذر پر کہ انھیں ان ملکون کی زبانیں نہیں آتیں، حضرت عیسیٰ نے دعا کی، اور ہر حواری خود بخود اس ملک کی بولی بولنے لگ گیا، جہاں اسے بھیجا جا رہا تھا، دوسرے الفاظ میں مسلمان مورخوں نے آنحضرت صلعم کے ہمسایہ ممالک میں سفیرون کے بھیجنے، اور ان سفیروں کے نئی زبانوں کے خود بخود سیکھ جانے کے قصّے کو محض اسلئے گھڑ لیا ہو کہ آنحضرت صلعم کسی بات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کم نظر نہ آئیں،

لیکن بول کو غلط فہمی ہوئی ہے، اگرچہ اس سلسلے میں اوس نے اپنے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے، لیکن کوئی تعجب نہیں، جو خدا نخستہ واقدی کی کسی افسانہ نگاری سے اسے سابقہ پڑا ہو، چنانچہ ابن سعد نے بھی طبقات (جلد اول حصہ دوم ص نمبر ۱۹) میں واقدی کی ایک روایت نقل کی ہے، جس میں واقعے کے بعض اہم جزئیات کو نظر انداز کر دینے سے مطلب خبط ہو گیا، یہ واقعہ پورے تفصیلات کیساتھ ہمیں ابن ہشام کی سیرۃ رسول اللہ (ص ۹۷۱) میں اور طبری کی تاریخ (سلسلہ اول ص ۱۵۶۰) میں ملتا ہے،[2] وہان تو کچھ اور ہی ذکر ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ایک دن آنحضرت صلعم نے یہ طے فرمایا کہ متعدد ہمسایہ فرمانرواؤں کے پاس تبلیغ اسلام کیلئے سفارتیں بھیجی جائیں، سفیروں کو نامزد کرنے سے پہلے آپ نے احتیاطاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے اور فرستادہ حواریوں کا قصہ بیان فرمایا، اور ارشاد کیا کہ اگر میں بھی کچھ سفیر بھیجنا چاہوں تو تم لوگوں کو ان حواریون

[1] Buhl. Das Leben Mohammeds p. 245

[2] نیز دیکھئے تاریخ مصر مولفہ ابن عبد الحکیم (طبع لائڈن) ص ۴۵،

کی طرح ہچکچاہٹ اور پس وپیش نہیں کرنا چاہئے، اسکے بعد اعلان فرمایا کہ فلاں شخص فلاں حکمران کے پاس خط لیجائے اور فلاں شخص فلاں کے پاس،

اس روایت میں نہ تو کوئی خارق العادۃ واقعہ ہے، اور نہ کوئی خلاف عقل یا غیر قرین قیاس امر، حواریون کا قصہ بیان کئے جانے کی ضرورت بھی واضح ہے، کہ کسی صحابی کو ذرا بھی تردد نہ پیدا ہو، اس واقعے سے شاید ہم یہ بھی معلوم کر سکتے ہیں، کہ آنحضرت صلعم کو ہمسایہ ممالک میں تبلیغ کرنے کا خیال کس طرح پیدا ہوا، وہ کون شارع مذہب ہو گا، جو حضرت عیسیٰؑ کی بیان کردہ فرستادگی اور حوارین کی اقتدا کا خیال نہ کرے، فبھداھم اقتدہ[1] تو خود قرآنی حکم ہے،

اب کچھ کائتانی کے اعتراضات بھی[2] سنئے:-

۱- "مسلمان مورخ سفرا کے بھیجنے کا واقعہ ۶ھ کے اواخر کا قرار دیتے ہیں، اور پھر بھی مورخین (کائتانی نے واقدی، ابن ہشام، یعقوبی، طبری جیسے متقدمین کے نام اس تذکرے کے آخر میں بطور ماخذ واقعہ گنائے ہیں،) کہتے ہیں کہ حضرت دحیہؓ کے مال ومتاع پر قیصر کی سفارت سے واپسی پر جو ڈاکہ پڑا وہ ۶ھ کے وسط میں پیش آیا، ۶ھ کے اواخر میں روانگی اور اسی سال کے وسط میں واپسی بدیہی طور پر ناممکن ہے،

۲- حضرت دحیہ رضؓ کا قیصر کے پاس جانا بیان کیا جاتا ہے، اور وہ خیبر کی مہم میں بھی شریک رہتے ہیں، یہ مہم سفارت کی روانگی کے بعد ہی پیش آئی، اور یہ غیر قرین قیاس ہے، کہ حضرت دحیہ سفارت کو سرانجام دیکر اس قدر جلد واپس ہو گئے ہوں،

۳- مسلمان مورخ بیان کرتے ہیں کہ اسلامی سفیر نے قیصر سے بیت المقدس میں ملاقات کی جب کہ

[1] قرآن مجید سورہ ۶ آیت ۹۰،

[2] Caetani annali dell' Islam (1905), 6 H.: 50

وہ (قیصر) صلیب مقدس کے ایرانیوں سے واپس مل جانے کی خوشی میں وہاں آیا ہوا تھا، قیصر کی آمد ۶۲۹ء کی ابتدا یعنی ۷ھ کے اواخر میں ہوئی، نہ کہ ۸ھ کے اوائل میں جیسا کہ مسلمان مورخین کے بیان سے مترشح ہوتا ہے،

۴- سیرت ابن ہشام حقیقت میں سیرت ابن اسحاق کی تہذیب دادہ صورت ہے، مگر ان سفارتوں کی روانگی کا واقعہ ابن اسحاق کی اصل کتاب میں نہیں ہے، کیونکہ روایت کی ابتدا میں ابن ہشام نے ابن اسحاق کا نام نہیں لیا ہے، (یعنی یہ واقعہ ابن ہشام نے خود گھڑ لیا ہے،)

۵- سفیروں کی روانگی اگرچہ اتنا اہم واقعہ ہے کہ لیکن عربی تاریخوں اور حدیث کی کتابوں میں جملہ روایتیں صرف ایک ابن عباس ہی سے منقول ہیں، دیگر صحابہ کے بیانات بالکل مفقود ہیں،،

کائتانی کا پہلا اعتراض، کچھ ٹھیک نہیں، سیرۃ ابن ہشام (ص ۹۷۶) اور تاریخ یعقوبی (جلد دوم ص ۸۴) میں جہاں حضرت دحیہؓ کا مال لٹنے وغیرہ کی مہم کا ذکر ہے، بلا تعین تاریخ واقعہ بیان کیا گیا ہے، جیسے اور بہت سے واقعات کا ان میں تذکرہ ہے، ظاہر ہے کہ اس سے کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا، تاریخ طبری میں (ص ۱۵۵۵ ا ر) بے شبہ ۶ھ کے وسط کا ذکر ہے، مگر یہ واقدی کی روایت ہے، اور معلوم ہوتا ہے، کہ طبری نے خود اس کو قبول نہیں کیا ہے، کیونکہ تھوڑی دور آگے چل کر طبری نے (ص ۱۵۶۱، ا ر) اپنی تاریخ میں مکرر اس مہم کا اس کے موقع پر ذکر کیا ہے، اگرچہ اس جگہ طبری نے تاریخ نہیں بیان کی ہے، لیکن واقعات اپنی ترتیب سے بیان ہوئے ہیں، طبری کا واقدی کی روایتوں کے متعلق جو رجحان ہے، وہ معروف ہے، ان روایتوں کے ساتھ اکثر زعم الواقدی کا ایک حد تک طنزیہ فقرہ ضرور ہوتا ہے، اب رہتی ہے ایک واقدی کی روایت، سو واقدی کی حیثیت ایک تاریخی فسانہ نگار سے بڑھکر نہیں، اس بیان

کو بے پس و پیش رد کر دیا جا سکتا ہے[1]، واقدی کی توقیتی غلطی کو معری مورخ زینی دحلان نے محسوس کر لیا تھا، چنانچہ سیرت نبوی لکھتے ہوئے اس واقعے کے تذکرے میں واقدی کی روایت کو اسی بنا پر رد کر دیا ہو کہ سفیر کی روانگی سے پہلے واپسی ناممکن ہے[2]

عرب مورخ[3] یہ ضرور بیان کرتے ہیں، کہ حضرت دحیہؓ جب قیصر روم کو مکتوب نبوی پہنچا کر شام سے واپس آ رہے تھے تو ان پر چند بدوی قبائل نے ڈاکہ ڈالا، مگر معلوم ہوتا ہے، کہ مورخین کو ایک غلط فہمی ہوئی ہے، کیونکہ حضرت دحیہؓ ۶ھ کے اواخر میں شام کو روانہ ہوئے، اور جب وہ قبیلۂ جذام کے علاقے میں تھے، تو اس قبیلے کے چند رہزنی پیشہ افراد نے اُن پر حملہ کیا، اس قبیلہ میں چند خاندان مسلمان ہو چکے تھے، جب اونھیں اطلاع ملی، تو فوراً دوڑے، اور حضرت دحیہؓ کا مال جو وہ تجارت کے لئے لے جا رہے تھے[4]، نہ کہ وہ جو قیصر نے بطور انعام و اکرام دیا تھا، جیسا کہ کائتانی نے واقدی کے افسانے سے اخذ کر کے لکھا ہے، ڈاکوؤں کے ہاتھ سے چھڑا لیا، حضرت دحیہؓ غضبناک ہو کر مدینہ منورہ واپس آئے، اور آنحضرت صلعم سے شکایت کی، اس کو بعض افراد عوام نے یہ سمجھ لیا کہ سفارت پوری کر کے واپس آ گئے، اور انھیں کی روایت

۱ـ اصل میں واقدی نے واقعات کے وقت کے ذکر میں سہواً اس بات کا لحاظ نہیں کیا ہے کہ حجاز میں سنہ کبیسہ رائج تھا، اور ہر تین سال میں ایک مہینہ بڑھایا جاتا تھا، پھر بعض وقت سنہ ہجری سے وقت مقرر کیا ہے، اور بعض وقت تاریخ ہجرت سے (دیکھئے کائتانی کی تاریخ آنالی سنہ ۷ھ ف ۱۳ نوٹ نمبر۱) سب جانتے ہیں کہ ہجرت نبوی اور سنہ ہجری میں ۲ ماہ کا فرق ہے، اور ۶ھ میں حجاز کے مروجہ سنہ اور ہجری سنہ میں دو ماہ کا فرق ہو جاتا ہے، اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ واقدی نے حضرت دحیہؓ کی مہم کا وقت بیان کرتے وقت مروجہ عربی سنہ کی جگہ سنہ ہجری بیان کر دیا، اور کبیسہ مہینوں کے بڑھانے کا خیال نہ رکھا، تو پھر اس پانچ دو ماہ کے فرق کا اصلی باعث معلوم ہو جاتا ہے، ۲ـ السیرۃ المحمدیہ مؤلفہ زینی دحلان جلد نمبر ۲ ص نمبر ۳، ۳ـ مثلاً سیرۃ ابن ہشام (طبع یورپ) ص ۹۷۱، ۴ـ ایضاً،

مسلمان مورخین کے پاس جگہ پاگئی،

آنحضرت صلعم نے فوراً ایک تنبیہی مہم روانہ فرمائی، اور چند دن بعد خود بھی خیبر کی جنگ پر روانہ ہوگئے، جہاں حضرت دحیہ رضؓ ساتھ رہے، اور خیبر کی فتح کے بعد وہیں سے معلوم ہوتا ہے، کہ دوبارہ شام کو روانہ ہوگئے، تاکہ قیصر کو نامۂ مبارک پہنچائیں، یہ یاد رہے، کہ اس واقعے کے جزئیات سب حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ماخوذ ہیں، حضرت ابن عباسؓ کی عمر اس واقعے کے وقت دس سال سے زیادہ نہ تھی، انھیں یہ حالات بعد میں اور لوگوں کی زبانی معلوم ہوئے ہوں گے، اس لئے واقعے کے جزئیات میں بعض کوتاہیوں یا غلطیوں کا امکان ضرور رہتا ہے، گو اس کے ذمہ دار وہ خود نہیں، اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ فرستادگی سفارت کا واقعہ حضرت ابن عباسؓ کے زمانے میں بھی ملک میں مشہور تھا گو ایک سرکاری اور حکومتی معاملہ ہونے کے باعث اسکے تمام جزئیات سے عوام کو واقفیت نہیں ہوسکتی تھی،

حضرت دحیہ رضؓ پر ڈاکے کے سلسلے میں جو مہم بھیجی گئی تھی، وہ حسمیٰ نامی مقام پر پہنچی، حسمیٰ کا مقام وادی القریٰ کے پرے مدینے سے آٹھ دن[1] کے فاصلے پر واقع ہے، یلغار کرتے آئیں، تو بعض وقت اونٹ یہاں سے مدینہ کو تین ہی دن میں پہنچ گئے ہیں[2]، بعض حالیہ یورپی سیاح بھی تبوک کے اطراف میں اس نام کے ایک پہاڑ کا ذکر کرتے ہیں[3]، غرض یہ مقام مدینہ سے اتنا قریب ہے، کہ حضرت دحیہ رضؓ کی سفارت پر روانگی و واپسی اور تنبیہی مہم سب اس مدت کے اندر وقوع میں آسکتے ہیں، جو آنحضرت صلعم کی صلح حدیبیہ سے واپسی اور خیبر کی روانگی کے مابین پائی جاتی ہے، ابن ہشام[4] کے مطابق آنحضرت صلعم حدیبیہ سے ذی قعدہ ۶ھ

---

[1] معجم البلدان مؤلفہ یاقوت لفظ حسمیٰ [2] سیرۃ ابن ہشام ص ۹۷۸،

[3] Jaussen el Savignac, mission archeologique en arabie (Paris 1909) Vol I. P. 64

[4] سیرۃ ابن ہشام ص ۷۵۵ تا ۷۵۷، نیز تاریخ طبری ۶ھ کے واقعات کا آخری حصہ،

کے آخر دنوں میں مدینہ واپس آئے، اور محرم ۷ھ میں خیبر روانہ ہوئے، ابن سعدؒ[1] کے مطابق خیبر کو روانگی اور چند ماہ بعد عمل میں آئی، غرض حدیبیہ سے واپسی اور خیبر کو روانگی کے مابین کم از کم پانچ ہفتوں کا وقفہ پایا جاتا ہے، اور یہ مدت حضرت دحیہ رضؓ کی روانگی اور حسمیٰ کی تنبیہی مہم کے پیش آنے کے لئے کافی ہے،

کائتانی کا دوسرا اعتراض بھی مذکورۂ بالا توضیح کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا، کائتانی کی حضرت دحیہ رضؓ کی جنگ خیبر میں شرکت صرف واقدی میں ملی ہے، مگر یہ واقعہ ابن ہشام طبری اور بخاریؒ[2] نے بھی بیان کیا ہے، تاہم جیسا کہ ہم دکھا چکے ہیں، صرف دحیہ کا مہم خیبر میں شریک رہنا ناممکن نہیں، اور نہ ہی وہ اس بات کیلئے کوئی ثبوت بن سکتی ہو کہ سفارت شام کا واقعہ من گھڑت ہے،

تیسرا اعتراض بھی برقرار نہیں رہ سکتا، کیونکہ سفیر مذکور کا ۶ھ کے اواخر میں بیت المقدس میں رہنا کسی طرح بھی غیر قرین قیاس نہیں، علاوہ بریں یہ امر قابلِ ذکر ہے، کہ واقعات زیر بحث کے اسلامی ماخذوں میں امام بخاری کی شخصیت سب سے ممتاز ہے، اور انھیں بہرحال واقدی پر ترجیح دینی ہوگی، خاص کر اس لئے کہ دونوں نے واقعات کو حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، امام بخاری کا بیان ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنے سفیر کو حکم دیا تھا کہ خط گورنر بُصریٰ کے حوالہ کرے، اور اس خط کو گورنر بُصریٰ نے قیصر کے پاس حمص خود بھیجا، قیصر بیت المقدس جا رہا تھا، تاکہ وہاں صلیب مقدس کی واپسی کے شکرانے کی تقریب میں حصہ لے، چنانچہ گورنر بُصریٰ کا خط ملنے پر قیصر نے جب اسلام اور بانی اسلام کے متعلق کوئی معلومات نہ تھے، حکم دیا کہ رومی علاقے میں اگر حجازی تاجر آئے ہوئے ہوں، تو انھیں حاضر کیا جائے، معلوم ہوتا ہے، کہ ان تاجروں کو بیت المقدس میں باریابی کا موقع حاصل ہوا،

رہا قیصر کا سفر سنہ ۶۲۹ء کی روایت یونانی مورخ تیوفان[3] نے بیان کی ہے، مگر مورخ نقفور (Nicephore)

---

[1] طبقات ابن سعد جلد دوم حصہ اول ص ۷۷، [2] صحیح بخاری کتاب نمبر ۶۴ باب نمبر ۳۸، حدیث نمبر ۶ نیز کتاب نمبر ۵۶ باب نمبر ۱۰۲ حدیث نمبر ۲،

[3] Sprenger, das Leben und die Lehre des Mohammed III. P. 261, N. 1.

لکھتا ہے، کہ قیصر ہرقل سنہ ۶۲۹ء میں بیت المقدس آیا، وہاں کے گرجے کی یادداشت بھی اسی کی تائید میں ہے، اور اس سے یہ تعیین ہوتی ہے، کہ سنہ ۶۲۹ء عیسوی میں وسط ستمبر میں ہرقل نے عید واپسی صلیب میں شرکت کی،

چوتھا اعتراض بھی درست نہیں، کیونکہ گو ابن ہشام[1] نے سفیروں کے واقعے کو بیان کرتے وقت شروع میں ابن اسحاق کا نام نہیں لیا ہے، لیکن اس روایت کے سلسلے میں ذرا نیچے اس نے دو مرتبہ ابن اسحاق کا حوالہ دیا ہے، ابن ہشام نے یہ بھی لکھا ہے، کہ یمن اور بحرین کی سفارتوں کا حال اس کی ذاتی تحقیق کا نتیجہ ہے، جس کے معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہیں، کہ باقی دیگر سفارتیں خود ابن اسحاق کی بیان کردہ ہیں، مزید براں اس بات کا ثبوت موجود ہے، کہ ابن اسحاق نے قیصر و نجاشی کے پاس بھیجے ہوئے سفیروں اور خطوں کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے، کیونکہ اگرچہ ابن ہشام نے اپنی کتاب میں ان خطوط کے متن حذف کر دیے ہیں، لیکن طبری[2] بیہقی[3] اور قلقشندی[4] نے ان خطوط کے متن ابن اسحاق کے حوالہ ہی سے درج کیے ہیں،

کائتانی کا پانچواں اور آخری اعتراض، یہ تھا کہ سفارت کا اہم واقعہ صرف حضرت ابن عباس رض نے بیان کیا ہے، اگرچہ اس سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا، مگر یہ اعتراض بھی کائتانی کی تحقیقات کا سطحی ہونا ثابت کرتی ہے، کیونکہ علاوہ دیگر مؤلفین کے[5]، بلاذری[6]، اور احمد بن حنبل[7] نے قیصر کی سفارت حضرت انس رض کی روایت کی بنا پر بھی بیان کی ہے،

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حضرت ابن عباس رض اور حضرت انس رض جو ہمارے ماخذِ معلومات ہیں

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۹۷۱ تا ۹۷۲، [2] تاریخ طبری ص ۱۵۶۵، ۱۵۶۹ تا ۱۵۷۰، [3] منقول از رسالات نبویہ مؤلفہ عبد المنعم خان نمبر ۱۰۹، [4] صبح الاعشیٰ جلد ۶ ص ۳۶۶، ۳۷۶، [5] ابن حبان (منقول از السیرۃ المحمدیہ مؤلفہ زینی دحلان جلد دوم ص نمبر ۲۴۵) [6] فتوح البلدان مؤلفہ بلاذری (طبع یورپ) ص ۴۶۱، [7] مسند احمد ابن حنبل جلد ۳ ص ۱۳۳،

آنحضرت صلعم کے خاص صحابہ میں سے ہیں، ایک آپ کے چچازاد بھائی ہیں، تو دوسرے شخصی خادم، ان دونوں نے شام و مصر کے فتوحات اپنی آنکھوں سے دیکھے، ان کے متعلق اس بات کا کس طرح گمان ہو سکتا ہے، کہ ان میں اپنے آپ کو حقیر سمجھنے کا جذبہ پایا جاتا ہو، جس کے تحت انھوں نے اپنے بانی مذہب کی بڑائی دکھانے کے لئے قیصر روم سے خط و کتابت کا واقعہ گھڑ لیا ہو، ان دونوں بڑی عمر پانے والے صحابیوں کی نوجوانی ہی میں قیصر ہرقل کی فوجوں کو مسلمان متعدد فاش شکستیں دے چکے تھے، اور اس کی سلطنت کے چند نہایت زرخیز صوبے چھین چکے تھے،

یہ تو جواب تھے اعتراضوں کے، انھوں نے عدم امکان کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے، انکے علاوہ بعض اور وجوہ ہیں، جو ہمیں ارسالِ سفیر کے واقعہ کی صحت کا یقین دلاتے ہیں:-

اولاً یہ واقعہ ہے کہ ہمعصر بزنطینی تاریخیں موجود نہیں ہیں، بزنطینی حکومت کے دربار میں بھی سرکاری وقائع نگار رہا کرتے تھے، مگر ایک زمانے میں ایک صدی تک ان میں فصل پڑ گیا، آنحضرت صلعم کا دور بھی اس وقفہ سے تعلق رکھتا ہے، اگر بعد کے بزنطینی مورخوں نے آنحضرت صلعم کے خط کا تذکرہ نہ کیا ہو[1]، تو کوئی حیرت نہیں کیونکہ وہ عیسائی تھے، اور اون کے بادشاہ کو اگر کسی نئے مذہب کے بانی نے تبلیغ کی ہو، تو ان کی

[1] زوناراس (Zonaras) بارھویں صدی عیسوی کا مشہور یونانی مورخ ہے، وہ قسطنطنیہ میں حکومت کا میر منشی تھا، پھر سیاسیات سے کنارہ کشی کر کے راہبانہ زندگی اختیار کر لی، اور اسی سلسلے میں ایک تاریخ عالم لکھی، اس نے بعض اہم اور ایسی کتابوں کے اقتباسات اپنی تاریخ میں دیے ہیں، جو آج مفقود ہیں، اس ایک مؤلف نے البتہ لکھا ہے، کہ آنحضرت صلعم قیصر سے ملنے کے لیے خود تشریف لائے تھے، اور یہ کہ قیصر نے آپ کو کچھ زمین جاگیر میں دی، زوناراس کے متعلق دیگر معلومات کروم باخر کی کتاب تاریخ ادبیات یونان (Krumbacher Geschichte der byzantinischen Liter[atur], P. 340-44.) میں ملیں گے، زوناراس کی کتاب کا یونانی متن مع

نظرون میں اس خط کو کیا اہمیت ہوسکتی ہے، مسلمانون سے بعد میں ان کی لڑائیان رہیں، اسی لئے بیزنطینی مورخ جنگ موتہ کا ضرور ذکر کرتے ہیں، جس میں آنحضرت صلعم کی روانہ کردہ فوجون کو ملا کر بیزنطینی فوجون نے شکست دی تھی،

دوسرے یہ کہ جملہ مسلمان مورخ جن میں امام بخاری جیسی محتاط شخصیت شامل ہے، اس سفارت کا ذکر کرتے ہیں،

تیسرے خود نفس معاملہ میں کوئی امر غیر قرین عقل نہیں، ایک بانی مذہب اپنی کامیابیون سے حوصلہ ہمت پاکر اپنے ایک ہمسایہ حکمران کو تبلیغ دین کرنے کی خواہش کرتا ہے، اور اس حکمران کے ایک صوبہ دار

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۵) لاطینی ترجمے کے شہر بون واقع جرمنی میں ۱۸۹۶ء میں چھپا ہے، اس کتاب کے متعدد یورپی زبانون میں ترجمے ہوئے، مگر میرے پیش نظر صرف لاطینی ترجمہ تھا جس کا ضروری اقتباس دیا جاتا ہے:- "In eo... dem regis triumphali ex Persia reditu regem convenit maometus. Saracenorum princeps.... in igitur ex Aethribo progressus regem convenit et regionem ad habitandum petitam accepit" Joannes Zonaras Epitomae Historiarum Epit, XIV.17, 12-27. P. 214- ے نیز دیکھئے:- Dictionnaire d'Histoire et de Geographie Ecclesiastiques (Paris 1914) vol III. S. Karabie col 1284 Theophanes. Chronographie ed. De Boor. Vol 1, P. 335 بحوالہ

۵ دیکھئے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، لفظ قیصر

کے توسط سے جس سے اس کے ہم وطن تجارت کے سلسلہ میں اچھی طرح واقف تھے اس حکمران کے نام ایک خط روانہ کرتا ہے، کیونکہ حکمران مذکور کا قیام اکثر سمندر پار قسطنطنیہ میں رہتا ہے، اس کی کہان توقع کیجا سکتی ہے کہ نبی حجازی (صلعم) کے مرسلہ خطوط میں ان ظاہری اور رسمی امور کی پابندی ہو، جو سلاطین عظام اپنی خط و کتابت میں ملحوظ رکھتے ہیں، قیصر ہرقل کا نام عرب میں ہر شخص جانتا تھا، یہ وہی بادشاہ تھا جس نے اکتیس سال (۶۱۰ء تا ۶۴۱ء) حکومت کی، اور عربون کی گرمائی تجارت گاہ شام و فلسطین و مصر کو ایرانیون کے ہاتھون سے دوبارہ چھین لیا تھا، یہ بات نہ بھلائی جائے، کہ خط گورنر بصریٰ کے پاس بھیجا گیا تھا، سفیر کے ذمے یہ فریضہ بالکل نہ تھا، کہ وہ قیصر سے بھی ملاقات کرے،

چوتھے خود اصل خط کی موجودگی ہے، چنانچہ سب سے پہلے چھٹی صدی ہجری کے مراکشی مورخ سہیلی[1] نے چشم دید گواہون کی شہادت پر یہ واقعہ بیان کیا ہے، کہ ان کے زمانے میں اسپین (قسطیلہ) کے حکمران الفونسو[2] نے جس کے قبضے میں آنحضرت صلعم کا خط بنام ہرقل موجود تھا، ایک مسلمان سپہ سالار عبد الملک ابن سعید کو دکھایا، نیز یہ کہ الفونسو کی وفات کے بعد یہ نامۂ مبارک اس کے نواسے کو وراثت میں ملا، اس سے ایک صدی بعد علامہ عینی کا زمانہ آتا ہے، وہ مصر کے مملوک سلاطین کے دربار میں بڑا رسوخ رکھتے اور اعلیٰ سرکاری خدمت پر مامور تھے[3]، وہ بھی لکھتے ہیں کہ مملوک سلطان قلاوون نے اسپین کے عیسائی بادشاہ کے پاس ایک سفارت بھیجی تھی، اور اس بادشاہ نے سلطان کے سفیر سیف الدین قلیج کو نامۂ مذکور دکھایا تھا[4]،

[1] روض الانف مؤلفہ سہیلی، جلد دوم ص ۳۲۱، [2] اس نام کو عرب مؤلفون نے معرب کرکے اذفونش بنالیا ہے، [3] ان کے حالات کے لئے دیکھئے، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، [4] عمدۃ القاری مؤلفہ عینی جلد اول ص ۱۱۶، نیز دیکھئے فتح الباری مؤلفہ ابن حجر عسقلانی شرح حدیث بخاری کتاب نمبر ۱، باب نمبر ۶، المواہب اللدنیۃ، مؤلفہ قسطلانی جلد دوم ص ۲۹۱، السیرۃ النبویہ مؤلفہ دحلان جلد دوم ص ۲۴۴،

یہ سفارت ۶۸۲ھ میں بھیجی گئی تھی[1]، ابن فضل اللہ العمری (فوت ۷۴۹ھ) مصر کے میر منشی کا زمانہ اس کے بعد آتا ہے، اوس نے بھی اپنی کتاب میں سلاطین عالم کے القاب کے سلسلے میں شاہ اسپین کا ذکر کیا ہے[2]، اور بتایا ہے، کہ شاہ اسپین کے سفیر نے اس سے گفتگو کی، اور کہا کہ شاہ اسپین قیصر ہرقل کی اولاد[3] میں سے ہے، اور یہ کہ نامۂ نبوی بنام ہرقل اسوقت تک شاہ اسپین کے پاس محفوظ و موجود ہے،

مراکش کے مشہور امیر و عالم شیخ عبدالحی کتانی نے حال میں ایک دلچسپ کتاب[4] شائع کی ہے، جس میں عہد نبوی کے جملہ سیاسی اور سماجی اداروں اور پیشوں کے متعلق کتب حدیث و تاریخ وغیرہ کا مواد اکٹھا کر دیا ہے، اس کتاب کی جلد اول صفحہ (۱۵۶ تا ۱۶۸) میں خاص اس خط کے متعلق ایک باب باندھا ہے، انھوں نے خفاجی (فوت ۱۰۶۹ھ) کی کتاب شرح شفاء جلد سوم صفحہ (۱۷۴) طبع اول پر یہ عبارت ڈھونڈ نکالی ہے،

"کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کا خط اب تک اسپین کے بادشاہوں کے پاس موجود ہے، وہ اسکی عزت کرتے ہیں، اور ایک سنہری صندوق میں حفاظت سے رکھتے ہیں، اور نسلاً بعد نسلٍ اوسکی نگہداشت کی وصیت کرتے آتے ہیں"[5]

[1] قلاوون کے خارجہ سیاسی تعلقات کے لئے دیکھو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، خاص اس سفارت کے مزید حالات کے لئے دیکھئے تشریف الایام والعصور بسیرۃ السلطان الملک المنصور (مخطوطہ کتب خانہ عام پارس کتاب عربی نمبر ۱۷۰۴) ورق ۲۳۱ ب، تا ورق ۲۳۴ ب، التعریف بالمصطلح الشریف ص ۶۲، مطبوعہ مصر ۱۳۱۲ھ [3] اس کی تائید میں دیکھئے نفح الطیب مولفہ مقری جلد دوم ص ۵۰۱، [4] التراتیب الاداریہ والعمالات والصناعات والمتاجر والحالۃ العلمیۃ التی کانت علی عہد تاسیس المدنیۃ الاسلامیۃ فی المدینۃ المنورۃ العلیۃ" مطبوعہ شہر رباط، [5] بحوالہ کتانی جلد اول ص ۱۶۰، ۱۶۱،

اسی طرح شیخ کتانی کی تحقیقات[1] سے مراکش کے ایک مشہور مولف شیخ ابوراس بن احمد بن ناصر الراشدی المعسکری (فوت ۱۲۳۸ھ) کی کتاب الخبر المعرب عن الاحمر المغرب الحال بالاندلس و ثغور المغرب میں بھی اس خط کے وجود کا ذکر پایا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے، کہ شیخ کتانی کو اس خط سے خاص دلچسپی رہی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں[2] کہ جب وہ ۱۳۴۱ھ میں اسپینی مراکش کے پایۂ تخت تطوان گئے، تو وہاں کے اسپینی ریسیڈنٹ جنرل (مقیم عام) سے اس بارے میں گفتگو کی، مگر جب سے مسلمان اسپین سے جا چکے ہیں اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا، چنانچہ مقیم عام مذکور کو بھی اس بارے میں کوئی علم یا اطلاع نہیں تھی، مراکش کے سلطان مولی اسمٰعیل بن الشریف نے بھی اپنے ہمعصر شاہ فرانس سے اس بارے میں خط و کتابت کی تھی، کیونکہ سنا جاتا تھا، کہ وہ اب فرانس میں ہے، مگر ۱۳۳۲ھ میں جب رئیس جمہوریہ فرانس مراکش کے دورے پر آیا، تو اس نے مقامی مسلمان علماء کی دریافت پر کہا کہ فرانس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے، اور نہ اوس نے اس سے پہلے اس بارے میں کچھ سنا ہے، شیخ کتانی نے چند اور مسلمان مولفوں کے حوالے دیئے ہیں[3] جنھوں نے اس خط کی موجودگی کا ذکر کیا ہے، مگر ان کے بیانات سے کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی،

[1] بحوالہ کتانی جلد اول ص ۱۶۱، [2] بحوالہ کتانی جلد اول ص ۱۶۱ تا ۱۶۲، [3] الکواکب الدراری مؤلفہ الکرمانی، نور النبراس مولفہ البرہان الحلبی، حاشیۃ الصحیح مولفہ ابن غازی، تشنیف المسامع مؤلفہ ابو زید الفاسی، سمط اللآل مؤلفہ شیخ قویسم التونسی، روض القرطاس مؤلفہ ابن ابی زرع، حواشی العارف الفاسی علی الصحیح وغیرہ،

ابن ابی زرع کی کتاب کے صفحہ ۱۶۸ میں البتہ یہ لکھا ہے کہ ۶۰۶ھ میں ملک الناصر لدین اللہ محمد بن یعقوب المنصور الموحدی نے جب اسپین پر چڑھائی کا ارادہ کیا، تو شاہ الفونسو (ادفونش) نے خود حاضر ہو کر آنحضرت صلعم کا نامہ بنام ہرقل ملک الناصر کے ملاحظہ میں پیش کیا، اور اسکی وساطت سے رحم کی درخواست کی،

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے، کہ اسلامی مورخین کے بیان کے مطابق آنحضرت صلعم نے جنگ تبوک کے وقت قیصر ہرقل کو ایک اور خط بھیجا تھا، بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس دفعہ بھی حضرت دحیہ رضؓ ہی سفیر تھے، بعض متاخر مؤلف قیصر اور ہرقل میں فرق کرتے ہیں، اور یقین دلاتے ہیں، کہ ہرقل شام کے گورنر کا نام تھا، اور قیصر قسطنطنیہ کے بادشاہ کا لقب تھا، اور یہ کہ آنحضرت صلعم کا خط قیصر کے نام نہیں، بلکہ ہرقل گورنر شام کے نام تھا، مگر شاید اسے غلط فہمی پر محمول کیا جا سکتا ہے، آنحضرت صلعم کے زمانے میں سلطنتِ رومہ دو خود مختار مملکتوں پر مشتمل تھی، ایک کا پایۂ تخت رومہ تھا، تو دوسرے کا قسطنطنیہ قیصر عموماً رومہ کے شہنشاہ کا لقب ہوتا تھا، مگر اسلامی مورخ قسطنطنیہ کے بادشاہ کو بھی قیصر ہی کہتے آئے ہیں، اور قسطنطنیہ کی بزنطینی حکومت ہی شام کی مالک تھی، آنحضرت صلعم کے زمانے میں وہاں ہرقل ہی حکمران تھا، اسلئے قیصر اور ہرقل کا امتیاز کوئی اہمیت نہیں رکھتا،

اس بحث کے بعد اب شاید یہ کہا جا سکتا ہے، کہ آنحضرت صلعم کا بزنطینی شہنشاہ ہرقل کو تبلیغی خط لکھنا ناممکن نہیں ہو، بلکہ حالات اسکی تائید ہی میں ہیں،

۱؎ صبح الاعشیٰ مؤلفہ قلقشندی جلد نمبر ۶ صفحہ ۳۶۶، ۲؎ بحوالہ ابو عبید، التنبیہ والاشراف مؤلفہ مسعودی ص ۲۶۱ ۳؎ السیرۃ النبویہ مؤلفہ دحلان جلد دوم صفحہ ۲۴۵، روض الانف مؤلفہ سہیلی جلد دوم ص ۳۲۰، ۴؎ مسند احمد بن حنبل جلد سوم ص ۴۴۱، ۵؎ التصریف بالمصطلح الشریف، مؤلفہ ابن فضل اللہ ص ۶۱،

حافظ ابنِ قیّمِ الجوزیہ

از

مولوی محمد یوسف صاحب کوکنی مدراسی رفیق دار المصنفین

نام و نسب اور وطن، نام محمد، لقب شمس الدین، اور کنیت ابن قیم، سلسلۂ نسب یہ ہے، محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن حریز الزرعی، چونکہ حافظ ابن قیم کے والد بزرگوار دمشق کے مدرسۂ جوزیہ کے امام اور مہتمم تھے، اسلئے وہ قیم الجوزیہ (مدرسہ جوزیہ کے امام و مہتمم) کے لقب سے اور صاحبزادے ابن قیم الجوزیہ (جوزیہ کے امام و مہتمم کے لڑکے،) کی کنیت سے مشہور ہوئے، اور اس کنیت نے یہ شہرت پکڑی، کہ لوگ اصلی نام بھول گئے، وطن دمشق تھا،

ولادت اور تعلیم، ۷ صفر ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے، اس زمانہ میں ملک شام میں ہر فن کے بڑے بڑے عالم موجود تھے جن کے حلقۂ درس میں بیٹھکر تشنگانِ علم اپنی پیاس بجھاتے تھے، حدیث میں شہاب نابلسی، ادب میں مجد تونسی، اصول میں صفی الدین ہندی، اور علم کلام اور معقول و منقول میں علامہ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم نے آنکھیں کھولیں تو ان بزرگوں کا آوازۂ کمال سُنا، خود اُن کے والد ابو بکر بھی عالم تھے، اور فقہ عربی، اور خصوصًا فرائض میں مہارت رکھتے تھے، چنانچہ فقہ اور فرائض کی تحصیل اپنے والد سے کی، اور حدیث کی تعلیم شہاب نابلسی، تقی سلیمان، ابو بکر ابن عبد الدائم، ابو نصر بن الشیرازی، عیسی المطعم، اسمٰعیل بن مکتوم وغیرہ سے حاصل کی، اور علم ادب مجد تونسی اور ابن ابی الفتح سے حاصل کیا، اور اصول کا درس اس عہد کے مشہور ہندی عالم صفی الدین سے لیا، جو ابن تیمیہ کے حریف اور مناظر تھے، اور دوسرے علوم کی تکمیل، علامہ ابن تیمیہ کے حلقۂ درس میں بیٹھکر کی، اور آخر اپنے تمام شیوخ

اور اساتذہ میں سے علامۂ موصوف کیساتھ ان کو ایسا اختصاص حاصل ہوا، کہ وہ علامۂ موصوف کے فضل و کمال کے جانشین، اور ان کے علوم و فنون کے تنہا امین و حامل قرار پائے،

علامہ ابن تیمیہ کی صحبت علامہ ابن قیم ۷۱۲ھ کے بعد سے لیکر جب کہ علامہ ابن تیمیہ مصر سے واپس ہوئے ہیں، ان کی وفات تک اون کے ساتھ رہے، یہ اُستاد و شاگرد گو حنبلی المذہب تھے، لیکن تحقیق و تدقیق نے تقلید کے حلقہ کو ان کی گردنون سے نکال پھینکا تھا، کبھی قرآن و حدیث کے منصوصات کے سامنے اونھون نے شخصی اجتہادات کی مخالفت کی پروا نہیں کی، علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم کی محققانہ تصانیف پڑھنے سے پتہ چلتا ہے، کہ ان کو مسائل متنازعہ پر پورا عبور تھا، اور حق کے اظہار میں پورے بیباک تھے، اُسی آزادانہ روش پر علامہ ابن تیمیہ کے خلاف اس زمانے کے فقہا نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا، جسکی وجہ سے کئی بار ان کو تنگ قید خانون میں جانا پڑا، مگر یہ قرآن و حدیث کی صحیح تعلیم کے علمبردار صحیح تعلیم کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے سے کبھی نہیں جھجکے،

علامہ ابن تیمیہ کی یہی وہ حقگوئی کی روش اور تحقیق و تدقیق تھی، جس نے علامہ ابن قیم رح کی طبیعت پر بھی اثر کیا، ان کی تصانیف میں بھی علامہ ابن تیمیہ کی جھلک نظر آتی ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ابن تیمیہ اور ابن قیم دو قالب تھے جن کی روح ایک تھی، ہمعصر علماء کا بیان ہے، کہ یہ ابن قیم ہی تھے، جنھون نے اپنے اُستاد کے علوم کو اپنی تصانیف سے زندہ کر دیا،

پہلی قید اسوقت مصر و شام مین ترک غلامون کی حکومت تھی، مشائخ کا زور تھا، عقائد میں مذہب اشعری ہر طرف پھیلا تھا، فقہاء میں خواہ وہ حنفی ہون، یا شافعی، یا مالکی، تقلید جامد پیدا ہو گئی تھی، یہی فقہاء عدالتوں کے قاضی تھے، اور عام حکام اور سلاطین، انہی کے فتوون پر کاربند تھے، اور خصوصیت کیساتھ سبکی کا خاندان مشائخ وقت کی حیثیت سے شافعیوں میں بہت ممتاز تھا، عقائد کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ اور شیوخ میں بہت اختلاف تھا، اور چونکہ حکام و قضاۃ تمامتر اشعری تھے، اسلئے اپنے مسائل کو لوگوں کے سامنے

پیش کرنے میں علامہ ابن تیمیہ کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، خصوصاً طلاق کا مسئلہ ایسا تھا، جسمیں تمام لوگ حتی کہ احناف و شوافع وغیرہ بھی علامہ ابن تیمیہ رح کے مخالف تھے، جب علامہ ابن تیمیہ نے طلاق ثلثہ فی مجلس واحد کے متعلق اپنے خیال کے مطابق فتوی دیا، تو ایک فتنہ کھڑا ہو گیا، شاہی حکم صادر ہوا، کہ علامہ ابن تیمیہ رح فتوی نہ دیں، مگر جب ابن تیمیہ رح کو خبر ملی، تو انھون نے کہا کہ حق کو چھپانا روا نہیں، چنانچہ شاہی حکم کے خلاف علانیہ فتوی دینے لگے، آخر حکومت وقت نے اون کو قید کر دیا، جس سے ایک مدت کے بعد رہائی ملی؛

اس کے بعد اونھون نے نبی کریم صلعم کی قبر کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا ممنوع قرار دیا، اس فتوی میں علامہ ابن قیم بھی اپنے استاد کے ہمنوا تھے، جمہور فقہاء نے ان دونون کے خلاف ایک شورش برپا کی، جسکی وجہ سے استاد و شاگرد دونون قلعہ میں قید کر دیے گئے، اس تنہائی میں دونون ہمہ تن ذکر و عبادت، تلاوت قرآن اور اس میں تفکر و تدبر اور مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہو گئے، ۷۲۸ھ میں جب علامہ ابن تیمیہ رح کی روح نے قفس عنصری سے رہائی حاصل کی، تو حافظ ابن قیم رح کو بھی قید کی چہار دیواریون سے آزادی ملی، استاد کی وفات کے بعد درس و تدریس اور افتار کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے، درس و تدریس کے بعد جو وقت ملتا، اسکو تصنیف تالیف میں صرف کرتے،

دوبارہ قید ذہبی نے لکھا ہے، کہ ایک دفعہ اور علامہ ابن قیم رح کو قید خانہ جانا پڑا، جب انھون نے دوبارہ قبر نبوی کی زیارت کے لئے سفر کے عدم جواز کا فتوی دیا، اس قید کی مدت ختم کر کے بدستور درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ شروع کیا، صدریہ میں لوگوں کو درس دیتے تھے، اور جوزیہ میں امامت کا کام سرانجام دیتے تھے،

کتابوں کا شوق، حافظ ممدوح کو ہر فن سے شغف تھا، اور ہر قسم کی کتابین ان کے مطالعہ میں رہتی تھین، ادب، تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، اور تصوف وغیرہ کا یکسان ذوق تھا، اور ان فنون کی کتابین ہمیشہ مطالعہ مین رہتی تھین، اسکے ساتھ ہر قسم کی کتابوں کے جمع کرنے کا بھی شوق تھا، حافظ ابن حجر المتوفی

[illegible] نے درر کامنہ میں لکھا ہے کہ ان کی زندگی میں ان کے پاس اتنی کتابیں جمع ہو گئی تھیں، کہ ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد منتخب کتابوں کے علحدہ کر لینے کے بعد جمع شدہ کتابوں کو ایک زمانہ تک بیچتی رہی،

وفات، حافظ ابن قیمؒ نے پنجشنبہ کے دن نماز عشاء کے وقت ۱۳ رجب ۷۵۱ھ کو ساٹھ برس کی عمر میں بمقام دمشق اس دنیاے فانی سے رحلت فرمائی، دوسرے دن ظہر کی نماز کے بعد دمشق کی جامع مسجد میں جنازہ کی نماز ادا کی گئی، پھر جامع جراح میں نماز پڑھی گئی، ایک انبوہ کثیر انکے جنازہ کے ساتھ تھا، اور آٹھوین صدی کے علوم و فنون کا یہ روشن آفتاب ہمیشہ کیلئے باب صغیر کے مقبرہ میں غروب ہو گیا،

اخلاق و عادات حافظ ابن قیمؒ اپنی مذہبی شدت کے باوجود نہایت منکسر اور متواضع تھے، ہر ایک کیساتھ شفقت و محبت سے پیش آتے تھے، علمی و مذہبی اختلافات کے اظہار میں وہ متانت اور سنجیدگی سے کام لیتے تھے، اور لہجہ کی شدت کے بجائے دلائل کی قوت سے کام لیتے تھے، اور اس باب میں وہ اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ سے علانیہ ممتاز تھے، اسی لئے بڑے بڑے لوگ حافظ ممدوح کی تعظیم، اور عام و خاص ان سے محبت کرتے تھے،

ممدوح کو اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ سے بہت محبت تھی، اور یہ محبت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی، کہ ہر چیز میں وہ ابن تیمیہؒ کے قول اور فیصلہ کو دوسروں کے اقوال پر ترجیح دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے علامہ ابن تیمیہؒ کے عظیم الشان کارناموں کو اپنی تصانیف سے زندہ اور ان کے اقوال و مسائل کو اپنے دلائل سے قوی اور مستحکم کر دیا،

رات دن عبادت الٰہی، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے تھے، صبح کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک ذکر و تسبیح کرتے تھے، ان کی تقریر نہایت مرتب، مربوط اور حشو و زوائد سے پاک ہوتی تھی، ایک ایک مسئلہ کے لئے کئی کئی دلائل بیک وقت پیش کرتے تھے، یہانتک کہ مخالفین انکے زور بیان کے سامنے بالکل مبہوت رہ جاتے تھے،

ہمیشہ قرآن پاک کی تلاوت اس کے اندر غور و فکر، اور فہم و تدبر میں لگے رہتے تھے، جب یہ اپنے استاذ کے ساتھ قلعہ میں قید کر دیئے گیے، تو ان کا کام صرف یہی تھا، کہ قرآن کی تلاوت کریں اس میں تحقیق و تدقیق سے کام لیں، اور دن رات عبادت میں مشغول رہیں،

خود بھی بہت قانع اور صابر تھے، اور لوگوں کو بھی ہمیشہ صبر اور فقر کی تعلیم دیتے تھے، فرماتے تھے کہ دین کی امامت انھیں دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہو، یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ایک سالک کے لئے فقر و صبر کے علاوہ اور دو چیزوں کی ضرورت ہے، ہمت اور علم، پہلی چیز اسلئے کہ سخت سے سخت مصیبت اور آفت میں بھی حق و صداقت کے راستہ میں، اسکے قدم ڈگمگانہ جائیں، اور علم اس لئے ضروری ہے، تاکہ بصیرت و معرفت کیلئے مشعل راہ کا کام دے،

قاضی برہان الدین اور ابن کثیر کا بیان ہے کہ یہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم اور عبادت گذار تھے، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو چھوڑ کر باقی سب لوگوں سے حافظ ابن قیمؒ کا درجہ بڑھا ہوا ہے،

مرنے سے کچھ پہلے حافظ ممدوحؒ نے علامہ ابن تیمیہؒ کو خواب میں دیکھا، اور ان سے اپنے مرتبہ کے متعلق دریافت کیا، علامہ ابن تیمیہؒ نے بعض اکابر کے نام لیکر کہا کہ تمھارا درجہ یہاں ان سے بڑھا ہوا ہے، اور یہ بھی کہا کہ اب تم ابن خزیمہ کے طبقہ میں ہو، اور عنقریب تم ہم سے آملو گے"

اولاد تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن قیمؒ کی اولاد بھی تھی، مگر ان کے حالات کا پتہ نہیں چلتا، صرف ایک کا حال معلوم ہے، جن کا نام ابراہیم تھا، ابن شحنہ وغیرہ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی، فقہ و ادب کا فن اپنے والد سے حاصل کیا، اپنے والد کی وفات کے بعد درس و تدریس اور افتاء کی مسند پر یہی جلوہ افروز ہوئے، ابن کثیر سے انھوں نے اکثر مناظرہ کیا ہے، ۷۶۷ھ میں انتقال کیا،

تلامذہ حافظ ابن قیمؒ کے دامن تربیت میں پل کر بہت سے شاگرد بھی پیدا ہوئے جنھوں نے علوم دینیہ کے ہر شعبہ میں نہایت عظیم الشان کارنامے یادگار چھوڑے، مشہور شاگردوں کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

۱۔ شیخ زین الدین ابو الفرج، عبد الرحمن بن رجب، (طبقات الحنابلہ کے مصنف)

۲۔ محمد بن رافع الشافعی،

۳۔ ابراہیم بن ابن قیم الجوزیہ (حافظ ممدوح کے بیٹے)

۴۔ حافظ ابو بکر محمد بن المحب،

تصانیف، حافظ ابن قیم رح کی تصانیف کی ایک طول طویل فہرست عبد الحئی بن العماد الحنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ نے اپنی کتاب شذرات الذہب فی اخبار من ذہب جلد ششم مین دی ہے، جس کی تعداد ۵۴ تک ہے، اور اس کے بعد "وغیر ذالک" لکھ دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں، جو یا تو زمانہ کی دستبرد سے تباہ ہوگئیں، یا قلمی نسخوں کی صورت میں کہیں موجود ہین،

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے، کہ جس مصنف کی تصانیف زیادہ ہون، اس مین تحقیق و تدقیق کا پہلو نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس مین رطب و یابس تمام چیزین بھری ہوتی ہین مگر حافظ ابن قیم کی تصانیف پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ کمیت کیساتھ ان میں کیفیت کی بھی کمی نہیں،

اس زمانہ کے علوم متداولہ میں سے اکثر پر ان کی کوئی نہ کوئی تصنیف ہے، اور ایک ایک کتاب کئی کئی جلدوں میں ہے، اور جو کچھ لکھا ہے، پورے دلائل کیساتھ، قرآن پاک کی آیات میں تدبر، احادیث و روایات پر کامل عبور، دلائل کی منطقی ترتیب، زور بیان، اور زبان میں ادبیت کی چاشنی انکی تصنیفات کی خصوصیت ہے،

ذیل میں ہم اون کی تصانیف کی فہرست، اور ہر ایک پر مختصر تبصرہ درج کرتے ہیں،

۱۔ زاد المعاد، ۲۔ جلد، اسکی دو ضخیم جلدون میں نبی کریم صلعم کی سیرت ایک خاص انداز میں لکھی گئی ہے، اسکی اہم خصوصیت یہ ہے، کہ سوانح اور سیر نبوی سے جو فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہین، ان کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں مختلف احادیث کے درمیان تطبیق یا ترجیح اور متنازع فیہ

مسائل کا صحیح حدیثوں سے فیصلہ کیا گیا ہے،

مختصر دیباچہ کے بعد آنحضرت صلعم کی ولادت سے ہجرت تک کے حالات، پھر جہاد و غزوات اور اون کے ضمن مین ان فقہی مسائل کا استنباط جو جہاد سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً صلح، امان، جزیہ وغیرہ، یا ان واقعات کا بیان جو غزوات مین پیش آئے، وفود عرب اور ان کے مختصر اور صحیح حالات، ان تبلیغی خطوط کا تذکرہ، جن کو آنحضور صلعم نے بادشاہون کے نام لکھے، اور ہر ایک خط کی عبارت کی نقل، طب نبوی کا مفصل بیان، مفرد و مرکب ادویہ، واغذیہ، اور ماکول اللحم جانورون کے دودھ، اور گوشت کے وہ فوائد اور خاصیتیں جو آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے ادا ہوئین، جرائم اور حدود کا بیان، حدود مقرر کرنے کے اسرار، اور آخر میں نکاح، طلاق، مہر، خلع، عدت، ایلار، ظہار، کفارہ، نفقہ، رضاعت وغیرہ کے احکام، اوران پر سیر حاصل بحثیں،

یہ کتاب سب سے پہلے ۱۲۹۸ھ میں مطبع نظامی کانپور میں پھر مطبعۂ میمنیہ مصر مین ۱۳۲۴ھ میں چھپی،

۲۔ اعلام الموقعین، ۳۔ جلد، یہ کتاب مذاہب اربعہ کی فقہ پر ایک مفصل تبصرہ ہے، اس کا مطالعہ مفتیون کیلئے خاص طور سے ضروری ہے، علامہ ابن قیم نے اسمیں فقہ پر اصولی بحث کی ہے، اور یہ دکھایا ہے، کہ تمام غلطیون کا انتساب ائمہ اربعہ کی طرف صحیح نہیں، بلکہ ان کے ذمہ دار فقہائے متاخرین ہیں جنھون نے قیاس در قیاس کے غلط اصول سے کتب فقہ میں غلطیون کا ایک انبار جمع کر دیا ہے،

علامۂ موصوف نے تبلیغ کی عظمت و اہمیت دکھلانے اور عمل بالحدیث کی ترغیب دلانے کے بعد مبلغین اسلام کی دو قسمیں کی ہیں، حفاظ الحدیث اور فقہاء، پھر فقہ کی ایک اجمالی تاریخ بیان کی ہے، اسکا سلسلہ بہت دور تک چلا گیا ہے، پھر یہ بتایا ہے، تمام ائمہ حتی کہ ابو حنیفہ بھی ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں، اسی کے ساتھ امام احمد بن حنبل رح کے اصول خمسہ بیان کئے ہیں، فتوی بالرای جو نصوص کے خلاف ہو قطعاً حرام ہے اور اس کی سخت مذمت کی ہے، پھر رائے کو دو نوع یعنی محمود و باطل پر تقسیم

کیا ہے، اور ہر ایک کی تشریح کی ہے، اس کے بعد قیاس پر بہت تفصیل سے لکھا ہے، اسکے انواع و اقسام اس کے جواز و عدم جواز میں اہل ظاہر اور اہل الرای کا اختلاف اور اس کا فیصلہ، پھر ان لوگون کے شبہات کو بیان کیا ہے، جو یہ کہتے ہیں، کہ تمام حوادث انسانی کیلئے شریعت کے احکام کافی نہیں ہیں، اسلئے شریعت کا تمام دارومدار قیاس پر ہے، اسکی تردید کی ہے، پھر ایک مقلد و غیر مقلد کے خیالات اور دلائل کو مناظرہ کی شکل میں تحریر کیا ہے، اخیر میں مفتی کے آداب بیان کئے ہیں، اور اسی پر کتاب ختم ہو جاتی ہے،

یہ کتاب سب سے پہلے دہلی میں ۱۳۱۳ھ میں پھر ۱۳۲۵ھ میں مطبع جدیدہ مصر سے شائع ہوئی،

۲۔ کتاب الروح، ۱۔ جلد، روح اور نفس کی حقیقت کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں، کہ روح ایک خالص غیر مادی چیز ہے، یہی مذہب ارسطو کا ہے، لیکن امام ابن قیمؒ کا خیال ہے کہ روح ایک مادی چیز ہے، اس میں علامہ موصوف نے مختلف پہلوؤن سے قرآن و حدیث کے نقطۂ نظر سے روح اور نفس پر روشنی ڈالی ہے، پوری کتاب اکیس ۲۱ بابوں پر منقسم ہے، جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں،:-

(۱) مردے زندون کی آوازون کو سنتے ہیں (۲) مردوں کی روحیں آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتی ہیں (۳) مردون کی روحیں نیند میں زندون سے ملاقات کرتی ہیں (۴) جسم کے ساتھ ساتھ روح فنا نہیں ہوتی ہے (۵) روح جسم سے کس طرح الگ ہوتی ہے؟ (۶) قبر مین سوال وجواب کے وقت روح لوٹ آتی ہے (۷) عذاب قبر کے منکروں کی تردید (۸) قرآن مجید سے عذاب قبر کا ثبوت (۹) عذاب قبر کے اسباب (۱۰) عذاب قبر سے بچنے کے شرعی طریقے (۱۱، ۱۲) قبر میں سوال و جواب، تمام لوگون سے ہوگا (۱۳) کیا قبر میں بچون سے سوال کیا جائے گا؟ (۱۴) کیا عذاب دائمی ہے، یا عارضی (۱۵) موت اور قیامت کے درمیان روحین برزخ میں رہتی ہیں (۱۶) کیا احباب

مردون کو کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں؟ (۱۷) روح حادث ہے (۱۸) روح جسم سے پہلے پیدا ہوئی (۱۹) روح جسم سے علٰحدہ چیز ہے (۲۰) روح اور نفس متحد ہیں، یا مختلف، (۲۱) کیا نیک اور بد روح الگ الگ ہیں، یا ایک،

اس کا پہلا اڈیشن ۱۳۱۸ھ اور دوسرا اڈیشن ۱۳۲۴ھ میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوا،

۴۔ مدارج السالکین فی شرح منازل السائرین، شیخ الاسلام الانصاری المتوفی ۴۸۱ھ نے حقائق تصوف اور قرآن و حدیث میں تطبیق دینے کی غرض سے منازل السائرین کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، چونکہ ان پر تصوف کا رنگ غالب تھا، اسلئے تصوف کے بعض مسائل کو جو قرآن و حدیث کے خلاف ہیں، صحیح قرار دیدیا، علامہ ابن قیمؒ نے اسکی شرح مدارج السالکین کے نام سے کی، اسمیں علامۂ موصوف نے معارف الٰہیہ اور علم النفس والاخلاق پر کتاب و سنت اور سلف صالح کے اسوۂ حسنہ کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے، اور غلط مسائل کی پورے طور سے تردید کی ہے،

ابتدا میں سورۂ فاتحہ کے نادر نکتے بیان کئے ہین، اور اس کے بعد صوفیہ کے اصطلاحات کی ایک ایک کرکے تشریح کی ہے، اور آخر میں عبادت کی ضرورت پر بحث کی ہے، اور یہ دکھایا ہے، کہ عبادت عام و خاص دونوں کے لئے ضروری ہے، کوئی شخص اس سے مستغنی نہیں، نیز ایک عارف و سالک کا اصلی مقصد یہ ہونا چاہیے، کہ توحید خداوندی کے اسرار کو پائے، اسکی پہلی جلد ۱۳۳۱ھ میں دوسری جلد ۱۳۳۲ھ میں اور تیسری جلد ۱۳۳۳ھ و ۱۳۳۴ھ میں مطبع منار مصر سے چھپکر شائع ہوئی،

۵۔ بدائع الفوائد، ۴۔ جلد یہ کتاب مختلف نحوی، فقہی، اصولی، مباحث پر مشتمل ہے، پہلی تین جلدون میں نحوی و فقہی مباحث تقریبًا برابر ہیں، چوتھی جلد مین کثرت سے فقہی و اصولی مباحث بیان کئے گئے ہیں، ہر ایک مبحث کی ابتدا نحوی مبحث سے ہوتی ہے، اور اس کے ضمن مین ان مسائل کا تذکرہ آتا ہے، جن کا تعلق ان نحوی مباحث سے ہے، اور بہت سے مقام پر نحویوں سے اختلاف بھی کیا ہے، قرآن مجید

کی آیتون اور مسائل کو سمجھنے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ہی مفید ہے، اس کتاب مین تقریباً اسی صفحون کی وسعت میں معوذتین کی تفسیر بھی ہے،

آخر میں مختلف فقہا، مثلاً احمد بن حنبل، ابن عقیل، احمد بن حزم، عبد اللہ بن المغفل، ابن تیمیہ وغیرہ کے فتاوی منقول ہیں، اس کا خاتمہ شفاعت کی بحث پر ہوتا ہے، شفاعت کے متعلق معتزلہ کے خیالات کی تردید کی ہے،

ادارہ طباعۃ منیریہ مصر نے اسکو شائع کیا ہے،

۶ - مفتاح دار السعادہ، ۲ جلد، یہ کتاب مخلوقات و مصنوعات الٰہی کے مصالح و فوائد کی تشریح میں ہے، اسی سلسلہ میں علم کی فضیلت، اثبات صانع، شریعت و نبوت کی قدر، نجومیوں کا رد، فال یا شگون بد وغیرہ کے متعلق مفید و کارآمد بحث کی ہے،

۱۳۲۳ھ میں مطبع سعادہ مصر سے شائع ہوئی، پھر ۱۳۲۵ھ میں ہندوستان میں چھپی،

۷ - شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل، ۱ جلد، اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہوئے جنمیں سے چند جبریہ، قدریہ، اور اشعریہ وغیرہ ہیں، پہلا انسان کو مجبور مانتا ہے، دوسرا قضا و قدر کا انکار کرتا ہے، تیسرا علل و اسباب کا منکر ہے، اس میں علامہ ابن قیم نے ان سب فرقون کے خیالات کا رد کیا ہے، اور قضا و قدر کی حقیقت اور اس کے اقسام قرآن و حدیث سے بیان کئے ہیں، اور ان لوگوں کی پرزور تردید کی ہے، جو یہ سمجھتے ہیں، کہ شریعت کے احکام میں کوئی حکمت و مصلحت نہیں، اور ثابت کیا ہے کہ یہ خیال قرآن و حدیث کے سراسر خلاف ہے، اسی طرح جو لوگ انسان کو مجبور محض مانتے ہیں، ان کی بھی سختی سے تردید کی ہے، اور ان کے شبہوں کا جواب دیا ہے، اور قرآن پاک کے جن الفاظ سے وہ استدلال کرتے ہیں، ان کے معنون کی تفصیل و تشریح کرکے بتایا ہے، کہ ان سے جبر محض کے دعوی پر دلیل لانا ان لوگون کی غلط فہمی ہے،

پھر کسب اور جبر پر تبصرہ کیا ہے، اور ان اصطلاحات کی تشریح کی ہے، اس کے بعد دو فرضی مناظرے قائم کئے ہیں، ایک جبری اور سنی کے درمیان، اور دوسرا قدری اور سنی کے درمیان، اور ان دونون میں سنی کی زبان سے دونون کی افراط و تفریط کی غلطیوں کا پردہ چاک کیا ہے، پھر متعدد عقلی و نقلی دلائل سے اسباب و علل کو ثابت کیا ہے، آخر میں فطرت پر بحث کی ہے، اور دکھایا ہے، کہ فطرت قضا و قدر کے منافی نہیں ہے،

مطبعہ حسینیہ مصر سے ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوئی،

۸ - ہدایۃ الحیاری من الیہود والنصاری، ۱ جلد، تورات، زبور اور انجیل میں کثرت سے آنحضرت صلعم کی نبوت کی بشارتین موجود ہیں، اور وہ بشارتیں بھی ایسی ہیں، کہ آپ کے سوا اور کسی پر صادق نہیں آتیں، اور ایک صریح لفظ فارقلیط موجود ہے، جس کے معنی احمد یا محمد ہیں، پھر بھی یہود اور نصاری آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں، علامہ ابن قیم نے تورات، زبور، اور انجیل کی بشارتون کو یکجا کیا ہے، اور تاریخی واقعات سے اس کا ثبوت بہم پہنچایا ہے، کہ خود آنحضرت صلعم کے زمانہ کے عیسائی بادشاہ اور پادری آپ کی بشارتون کا اعتراف کرتے تھے،

یہ کتاب الفارق بین المخلوق والخالق کے ساتھ ۱۳۲۲ھ میں مطبع تقدم مصر سے چھپکر شائع ہوئی،

۹ - الفوائد، ۱ جلد، اس کتاب میں قرآن پاک کی آیات و مضامین پر متفرق فوائد ہیں، انتفاع بالقرآن، سورۂ ق کی ان آیتون کی تشریح جو مبدا، معاد اور صفات توحید سے تعلق رکھتی ہیں، جنت و دوزخ والوں کی صفات، سورۂ فاتحہ اور سورۂ تکاثر کی تفسیر اور ان کے فوائد و نکات، معاصی، بدبختی کا سبب بنتی ہیں، اور طاعت و بندگی رحمت و مغفرت کا باعث، بعض صحابہ مثلاً سلمان فارسی، حضرت ابوبکر وغیرہ کے حالات و فضائل، مختلف قرآنی آیتوں کی تفسیر، اتباع کتاب و سنت کے فوائد، غیرت، زہد، توکل، صبر، شکر، ذکر کی تشریح، اوس کے انواع و اقسام اور فوائد و اسرار اور اس کے ضمن مین نبی کریم صلعم اور صحابہ کے وہ حالات

جو ان کے زہد و توکل، صبر و شکر وغیرہ کو ظاہر کرتے ہیں، انسانی سعادت و شقاوت کے اسباب وغیرہ پر بحث کی گئی ہے،

۱۳۲۴ھ میں مطبعہ منیریہ مصر سے شائع ہوئی،

۱۰۔ الفوائد المشوق الی علوم القرآن و علم البیان، ۱ جلد، یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے، (۱) علم الفصاحۃ والبلاغۃ، (۲) علم المعانی، (۳) علم البیان ان میں سے ہر ایک کی کئی قسمیں کی ہیں، اور ہر ایک کے ماتحت قرآن مجید اور کلام عرب سے مثالیں پیش کی ہیں، اور آخر میں اعجاز قرآن پر بحث ہے،

۱۳۲۷ھ میں مطبع سعادۃ مصر میں شائع ہوئی،

۱۱۔ اجتماع الجیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ والجہمیہ، ۱ جلد، جہم بن صفوان کے پیروؤں کو جہمیہ کہا جاتا ہے، یہ لوگ خدا کی صفات ازلیہ کے منکر ہیں، نیز خدا کو ایسی صفتوں سے متصف کرنا ناجائز قرار دیتے ہیں، جن سے مخلوق کی کچھ بھی شباہت پائی جاتی ہے، اور معطلہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے خدا کی صفات کا بالکلیہ انکار کر دیا ہے، علامہ ابن قیم نے اس کتاب میں انہی دونوں فرقِ باطلہ کے عقائد کی تردید کی ہے،

۱۳۱۴ھ میں امرتسر (ہندوستان) میں چھپی،

۱۲۔ طریق الہجرتین، و باب السعادتین، یہ کتاب فنِ تصوف میں ہے، اس میں اسلامی تصوف، فقر مسنون، طریقت و حقیقت کے اصول و قواعد بیان کرکے بتایا ہے، کہ شریعت کی رو سے ہی فقر اور عبودیت و استغنا سعادت کا حقیقی دروازہ ہے، جو قرآن و سنت کے مطابق ہو،

۱۳۳۰ھ میں مصر سے شائع ہوئی،

۱۳۔ الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ، ۱ جلد، بعض عدالتی مقدمات ایسے ہوتے ہیں جن کا فیصلہ کافی شہادت ہونے کے باوجود قطعی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ قرائن شہادت کے خلاف دلالت کرتے ہیں، ایسے مقدمات کے فیصلے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، اس کتاب میں اسی کا تفصیلی جواب دیا گیا ہے،

اور ثابت کیا ہے، کہ قرائن و دلائل و احوال بھی شہادتِ واقعہ کے اجزا ہیں،

۱۳۱۷ھ میں مطبع آداب و موید مصر میں طبع ہوئی،

۱۴۔ حادی الارواح الی بلاد الافراح، ۱ جلد، اسمیں جنت کے مناظر و لذائذ کی قرآن مجید، احادیث اور اقوالِ صحابہ کے مطابق تشریح کی ہے، اور اس ضمن میں مسائلِ جنت و دوزخ کے بعض مختلف امور کا فیصلہ کیا ہے،

یہ کتاب اعلام الموقعین کے ساتھ ۱۳۲۵ھ میں مطبع نیل مصر سے چھپ کر شائع ہوئی،

۱۵۔ عدۃ الصابرین و ذخیرۃ الشاکرین، ۱ جلد، اسمیں صبر و شکر کے مضامین بیان کئے گئے ہیں، اور ہر ایک کی قرآن مجید، احادیث، اور آثار صحابہ کے نقطۂ نظر سے تشریح کی گئی ہے،

۱۳۴۱ھ میں مطبعہ سلفیہ مصر سے شائع ہوئی،

۱۶۔ التبیان فی اقسام القرآن، ۱ جلد، خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سی قسمیں کھائی ہیں، اس کتاب میں انہی قسموں کی توضیح و تشریح کی ہے، اور قسم کھانے کے وجوہ و اسباب پر تفصیلی نظر ڈالی ہے، یہ غالباً اپنی بحث پر پہلی مستقل کتاب ہے،

۱۳۲۱ھ میں مطبعہ میریہ مکہ سے شائع ہوئی،

۱۷۔ الکافیۃ الشافیہ فی الانتصار للفرقۃ الناجیۃ، ۱ جلد، یہ ایک نونیہ قصیدہ ہے، جسمیں کلام و عقائد کے مسائل کو نہایت عمدگی کیساتھ نظم کیا ہے، اور باطل فرقوں کے اعتراضات کا جواب دیا ہے،

۱۳۰۶ھ میں مطبع خلیلی، آرہ (ہندوستان) میں چھپی،

۱۸۔ الجواب الکافی، ۱ جلد، ایک شخص نے علامہ ابن قیم سے دریافت کیا، کہ علاج کرنے کے باوجود کسی مرض کا علاج نہ ہو سکے، تو کیا کیا جائے؟ علامہ موصوف نے جواب دیا، کہ صدق دل سے سورۂ فاتحہ پڑھکر اپنے اوپر دم کرے، تو انشاء اللہ ضرور شفا پائے گا،

سنہ ۱۳۰۷ھ میں مطبع خلیلی آرہ (ہندوستان) سے شائع ہوئی،

۱۹- القیاس فی الشرع الاسلامی ۱ جلد، یہ قیاس کے متعلق اعلام الموقعین کا ایک ٹکڑا ہے جسکو الگ کرکے علامہ ابن تیمیہؒ نے قیاس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کے ساتھ ملا کر چھاپ دیا گیا ہے،

سنہ ۱۳۴۶ھ میں مطبعہ سلفیہ قاہرہ سے چھپ کر شائع ہوئی،

۲۰- کتاب الصلوٰۃ، واحکام تارکیہا، ۱ جلد، عمداً نماز چھوڑنے والون کے متعلق فقہائے اُمت مسلمہ کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں قتل کیا جائے گا، بعض کا خیال ہے کہ قید کیا جائے گا، اس میں علامہ ابن قیمؒ نے سب سے پہلے مختلف فقہار کے اقوال نقل کئے ہیں، اسکے بعد اپنا فیصلہ دیا ہے، اور اُسپر قرآن و حدیث سے دلیلیں پیش کی ہیں،

سنہ ۱۳۴۷ھ میں مطبع محمد علی مصر سے شائع ہوئی،

۲۱- اغاثۃ اللہفان فی مصائد الشیطان، اس میں متصوفین کی گمراہیوں اور ان کے بعض عقائد و افعال باطلہ پر قرآن وحدیث کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے،

سنہ ۱۳۲۰ھ میں مصر سے شائع ہوئی،

۲۲- اغاثۃ اللہفان فی حکم طلاق الغضبان، یہ چھوٹی تقطیع کے اڑتالیس صفحون کا ایک مجموعہ ہے جسکو مطبع منار مصر نے ۱۳۲۲ھ میں شائع کیا ہے، اس میں علامہ ابن قیمؒ نے بیان کیا ہے، کہ سخت غصہ کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اس پر حدیث و آثار صحابہ سے دلیلیں پیش کی ہیں،

۲۳- اخبار النساء، سب سے پہلے سنہ ۱۳۰۰ھ میں مطبع محمد مصطفےٰ سے، پھر سنہ ۱۳۱۹ھ میں مطبع تقدم مصر سے شائع ہوئی،

ان کتابون کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں، جن کے نام عبد الحئی بن عماد الحنبلی نے

شذرات الذہب میں گنائے ہیں جن کی فہرست حسب ذیل ہے، غالباً یہ کتابیں اب تک طبع نہیں ہوئی ہیں،

۱- المسائل الطرابلسیہ، ۲ جلد
۲- الصراط المستقیم، ۲ ״
۳- زاد المسافرین، ۱ ״
۴- روضۃ المحبین، ۱ ״
۵- کتاب الطاعون، ۱ ״
۶- تحفۃ الودود فی احکام المولود، ۱ ״
۷- کتاب امثال القرآن، ۱ ״
۸- کتاب الکبائر، ۱ ״
۹- شرح اسماء الکتاب العزیز، ۱ ״
۱۰- نقد المنقول والمحک الممیز بین المردود والمقبول، ۱ ״
۱۱- بیان الدلیل علی استغنا، المسابقۃ عن التحلیل، ۱ ״
۱۲- التحریر فیما یحل ویحرم من لباس الحریر، ۱ جلد
۱۳- رفع الیدین فی الصلوٰۃ، ۱ ״
۱۴- نکاح المحرم، ۱ ״
۱۵- نور المومن وحیاتہ، ۱ ״
۱۶- الفرق بین الخلۃ والمحبۃ ومناظرۃ الخلیل لقومہ ۱ ״
۱۷- فضل العلم، ۱ ״
۱۸- تفضیل مکۃ علی المدینہ، ۱ ״
۱۹- بطلان الکیمیا من اربعین وجہا، ۱ ״
۲۰- الکلام الطیب والعمل الصالح، ۱ ״
۲۱- الفتح القدسی، والتحفۃ المکیۃ، ۱ ״
۲۲- حکم اغمام ہلال رمضان، ۱ ״

تصوف کی اجمالی تاریخ

اور

اوس پر نقد و بحث

(از مولانا عبد السلام ندوی)

(۴)

مختلف فرقوں کا اثر، اس دور میں اسلامی ممالک میں بہ کثرت فرقے پیدا ہو گئے تھے، اور ان فرقوں کے بہت سے اشخاص صوفیہ کے گروہ میں داخل ہو گئے تھے، کیونکہ صوفیانہ وسعت مشرب کے دامن میں انکو پناہ ملتی تھی، اور خود متصوفین بھی اپنے بعض غلط خیالات کی مناسبت سے انکو قبول کر لیتے تھے، اسلئے اس دور میں تصوف مختلف عقائد و خیالات کا مجموعہ بن گیا، اور یہی معجون مرکب آجتک تمام صوفیون کے روحانی مرض کا سبب بنا ہوا ہی، مثلاً فرقہ جبریہ کا یہ اعتقاد ہو کہ انسان مجبور محض ہی، اسکو کسی قسم کا اختیار نہین ہو، اور یہ عقیدہ صوفیون کے مسلک توکل سے بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہو، اسی کے ساتھ اس دور کے صوفیہ جن مشاغل میں مصروف رہتے تھے، انکی کوئی شرعی تاویل اسکے سوا نہیں ہو سکتی تھی کہ انسان مجبور محض ہو، وہ اپنے اختیار سے کوئی کام نہیں کرتا اسلئے یا تو اس مناسبت سے جبریہ فرقہ کے لوگ تصوف کے دائرے میں داخل ہو گئے تھے، یا خود صوفیہ نے جبریہ مذہب کو اختیار کر لیا تھا، اور غالباً اسی وجہ سے محققین صوفیہ کو جبریہ کہتے تھے، چنانچہ محدث ابن جوزی نے جبریہ کے متعلق لکھا ہے، کہ "یہ لوگ نہایت پست ہمت ہیں، عبد عادۃ شریعت رکھتے ہیں، زہد ظاہر کرتے ہیں، خوف و رجا کو حذف کر کے شوق و محبت ظاہر کرتے ہیں، امارد اور نامحرم عورتوں کے گانا سنتے ہیں خوش ہوتے ہیں بیہوش ہوتے ہیں، اور مرجاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ یہ خدا کی سخت محبت اور عشق کا نتیجہ ہے"[1]،

اس دور میں اباحیہ فرقہ کے لوگ بھی بہ کثرت صوفیہ میں داخل ہو گئے، اور تصوف کو لذت پرستی کا ایک ذریعہ بنا لیا، ان لوگوں کی مختلف قسمیں ہیں، اور ہر ایک قسم کو اس دور کے تصوف سے مناسبت تھی،

[1] تلبیس ابلیس ص ۲۵۲،

۱- ان لوگوں میں کچھ لوگ تو ایسے تھے، جو درحقیقت غیر مسلم تھے، لیکن انھون نے اپنی خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کیلئے تصوف کو ایک حیلہ بنا رکھا تھا،

۲- کچھ لوگ ایسے تھے، جو مسلمان تو تھے، لیکن اپنے اعمال میں صرف اپنے شیوخ کی تقلید کرتے تھے، اور وہ ان کو جو کچھ حکم دیتے تھے، یا انکو جو کچھ کرتے دیکھتے تھے، اوس پر عمل کرتے تھے،

۳- کچھ لوگ ایسے تھے، جنکے دل میں چند مذہبی شکوک پیدا ہو گئے تھے، اور انہی شکوک کی بنا پر انھوں نے شریعت کے اوامر و احکام کو چھوڑ دیا تھا، مثلاً یہ کہ

۱- سب کچھ ازل میں مقدر ہو چکا ہے، ہر ایک کی سعادت و شقاوت لکھی جا چکی ہو، سعید شقی نہیں ہو سکتا، اور شقی سعید نہیں بن سکتا، اسلئے عمل کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا وہ تو ہو ہی کر رہے گا،

۲- خدا ہمارے اعمال سے بے نیاز ہے، اسلئے عمل ایک بیہودہ چیز ہے،

۳- خدا کی رحمت وسیع ہے، اور وہ ہم سب کو شامل ہے، اس لئے لذت پرستی سے محروم رہنے کی کوئی وجہ نہیں،

۴- اصلی مقصود یہ ہے، کہ ریاضت کے ذریعہ سے صفائی قلب حاصل کی جائے، لیکن تجربہ سے ثابت ہے کہ مدتوں کی ریاضت کے بعد بھی یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، اس لئے خواہ مخواہ اسکے لئے تکلیف اٹھانے اور عمل کرنے کی کیا ضرورت ہی؟

۵- دائمی ریاضت کے ذریعہ سے انسان عوام کے درجہ سے بلند ہو جاتا ہے، اور شریعت صرف عوام کی اصلاح کے لئے ہے، اس لئے جو لوگ اس درجہ سے بلند ہیں، اون کو اوامر و نواہی کی پابندی کی ضرورت نہیں

۶- دائمی ریاضت کے ذریعہ سے انسان بہت سے اچھے خواب دیکھتا ہی، اور کچھ افعال اس سے ایسے سرزد ہوتے ہیں، جو کرامات کے مشابہ ہوتے ہیں، ان میں کچھ لوگوں کی یہ حالت ہوئی، تو انھوں نے

خیال کرلیا کہ اب وہ اپنے اصلی مقصد تک پہنچ گئے، اور اسکے بعد شریعت کی پابندی بیکار ہے[۱]

اس دور میں حلولیہ فرقے کے لوگ بہ کثرت تصوف کے دائرے میں آئے، اور وجد، شوریدگی، محویت، استغراق، اور حسن پرستی کا ذوق اسی فرقے کی بدولت تصوف میں پیدا ہوا، ابوحمزہ حلولی کی یہ حالت تھی کہ جب ہوا کے چلنے، پانی کے بہنے، اور چڑیوں کے بولنے کی آواز سنتا تھا، تو چیختا تھا، اور "لبیک لبیک" کہتا تھا، ایک بار وہ طرطوس کی جامع مسجد میں وعظ کہہ رہا تھا، کہ اسی حالت میں ایک کوے نے آواز دی، اور اوس نے بیقراری کی حالت میں کہنا شروع کیا کہ "لبیک لبیک"، ایک بار وہ حارث محاسبی کے گھر میں آیا، تو بکری نے آواز دی، اوس نے گلوگرفتہ ہوکر کہا کہ "لبیک یا سیدی" یعنی اے آقا حاضر ہوتا ہوں، ان لوگوں کا خیال تھا کہ خداوند تعالیٰ اپنے لئے چند اجسام کو منتخب کرلیتا ہے، اور ان میں اوصاف ربانی کیساتھ حلول کرجاتا ہے، اور اُن سے انسانی اوصاف کو زائل کردیتا ہے، اس لیے یہ لوگ اچھی صورتوں کا دیکھنا جائز سمجھتے تھے، اور دنیا میں خدا کے روحانی مشاہدے کے قائل تھے، چنانچہ متاخرین صوفیہ کا بھی یہی مذہب ہے[۲] تصوف کی اصطلاح اور فارسی صوفیانہ شاعری میں خدا کے لئے عشق کا جو لفظ بولا جاتا ہے، اسکے موجد بھی یہی لوگ ہیں کیونکہ قرآن مجید میں خدا کیلئے صرف محبت کا لفظ بولا گیا ہے، اور عشق کا لفظ بدعت یا کم از کم خداوند تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں[۳]

اس دور میں تصوف پر فرقہ مشبہہ کا خاص اثر پڑا، ان لوگوں کا خیال تھا کہ دنیا میں خداوند تعالیٰ کو آنکھوں کے ذریعہ سے دیکھا جاسکتا ہے، اوس سے مصافحہ وغیرہ کیا جاسکتا ہے، اور وہ لوگ اس کی ملاقات کرتے ہیں، اور خدا خود ان کی ملاقات کو آتا ہے، یہاں تک کہ جو لوگ گلیوں میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، ممکن ہے کہ ان میں کوئی خدا بھی ہو، یہ لوگ عراق میں تھے، اور وہاں ان کو اصحاب باطن اور اصحاب وساوس اور اصحاب خطرات کہا جاتا تھا، علم ظاہری اور علم باطنی کی تقسیم کے علاوہ صوفیہ کو جو ارباب باطن کہا جاتا ہے،

۱ے تلبیس ابلیس ص ۳۸۹ تا ص ۳۹۵، ۲ے مکتوبات مجدد الف ثانی جلد سوم ص ۱۸۵ ۳ے ص ۱۸۰، ۱۸۱

اسکی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے، بہرحال اس فرقہ کا جو اثر صوفیوں پر پڑا، اس کا اندازہ اس حکایت سے ہو سکتا ہے کہ ایک صوفی نے ایک مصیبت زدہ بزرگ کی ایک سال تک خدمت کی اور ان سے اس مصیبت کا سبب دریافت کرنا چاہا، لیکن سوال کرنے سے پہلے ہی انھوں نے وجہ بتانے سے انکار کردیا، پھر تین سال کی خدمت کے بعد خود ہی اونکی وجہ یہ بتائی کہ میں ایک بار رات کو نماز پڑھ رہا تھا، کہ محراب سے ایک نور نمایاں ہوا، میں نے تین بار کہا کہ "اے ملعون میرا خدا مخلوق کے سامنے نہیں آسکتا" اس کے بعد محراب سے آواز آئی کہ تم کیا چاہتے ہو آیا اس گستاخی پر میں فوراً تمھاری جان لیلوں، یا کسی مصیبت میں مبتلا کروں، جس سے آخرت میں تمھارا درجہ بلند ہو، میں نے مصیبت ہی کو اختیار کیا، اور میری آنکھیں، میرے ہاتھ، اور میرے پاؤں سب گر پڑے، اسکے بعد بارہ سال تک انھوں نے ان کی خدمت کی، اور ایک روز انھوں نے ان کو اپنے قریب بلایا، تو معلوم ہوا، کہ ان کے تمام اعضا ایک دوسرے سے باتیں کررہے ہیں، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ انھوں نے خداوند تعالیٰ کی رویت دنیوی کا انکار کیا، اسلئے عذاب خداوندی میں مبتلا ہوگئے[۱]

ہماری علماء نے تصوف کے اسی دور کے متعلق اس قسم کے شبہات بھی کئے ہیں کہ اس میں غیر مذاہب کے اثرات قبول کرلئے گئے، چنانچہ محدث ابن جوزی نے ایک صوفی کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک خوبصورت عورت پر انکی نگاہ پڑگئی تو اس جرم میں انھوں نے اپنی آنکھیں نکالڈالیں، اسکے بعد لکھتے ہیں کہ شاید اس صوفی نے بعض یہود کے متعلق یہ حکایت سنی تھی، کہ اوس نے ایک عورت کے دیکھنے کے بعد اپنی آنکھیں نکالڈالی تھیں، اور ممکن ہے کہ یہ اُن کی شریعت میں جائز ہو[۲]

غالباً ہندوستان میں تصوف پر سناسیوں اور جوگیوں کی ریاضت نفس کا اثر زیادہ پڑا، چنانچہ یوسف نامی ایک بزرگ بارہ مولہ کشمیر کے ایک مرتاض سناسی کے حلقۂ ارادت میں آئے، اور حبس دم میں اسقدر مشق بہم پہنچالی، کہ چار گھنٹے تک سانس کو روکے رہتے تھے[۳] ابن بطوطہ نے ہندوستان کے جوگیوں کی ریاضت وکرامات کے ذکر میں لکھا ہے کہ میں نے ایک مسلمان کو دیکھا کہ وہ جوگیوں سے تعلیم حاصل کررہا ہے اور ۲۵ دن تک کچھ کھاتا پیتا نہیں[۴] اسی سلسلے میں ایک دوسرے موقع پر لکھا ہے کہ بہت سے مسلمان جوگیوں کی پیروی کرتے ہیں تاکہ اُن سے تعلیم حاصل کریں[۵]

۱ے تلبیس ابلیس ص ۱۸۴ ۲ے ص ۲۳۱ ۳ے دبستان المذاہب ص ۲۴۴ ۴ے ۵ے ابن بطوطہ جلد دوم ص ۱۲۲، ۱۲۴

۴ - **اصطلاحات کی تولید**، قدماء کے زمانے تک صوفیانہ اصطلاحیں بہت کم پیدا ہوئیں، لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، تصوف نے مختلف فن کی حیثیت اختیار کرنی شروع کی، اور اس حیثیت سے متاخرین کے زمانے تک صوفیانہ اصطلاحات کا ایک انبار لگ گیا، اور یہی اصطلاحیں بہت سی بے اعتدالیوں کا سبب قرار پائیں، چنانچہ علامہ ابن قیمؒ مدارج السالکین میں لکھتے ہیں، کہ سلوک کی صحت تین چیزوں پر موقوف ہے، اون میں سے ایک یہ ہو کہ سالک متبع سنت ہو مصنوعی راستوں اور اصطلاحی رسوم کا پابند نہ ہو، گو وہ نہایت خوشنما الفاظ اور عمدہ عبارت میں بیان کی جائیں[۱] کیونکہ تمام آفتیں، رسوم، اصطلاحی طریقوں اور نو پیدا امتداول اوضاع سے پیدا ہوتی ہیں، اور انھی نے بہت سے لوگوں کو خدا سے الگ کر دیا ہو اور وہ لوگ اس سے بے خبر ہیں[۲]

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ "بندہ توبہ کا سب سے زیادہ اپنی عمر کے آخر میں محتاج ہو جاتا ہو، اور توبہ کی طرف اسکو فنا، اتصال، جمع الشواہد، جمع الوجود اور جمع العین سے زیادہ احتیاج ہوتی ہے، یہ سب چیزیں سالکین کے اعلی مقامات سے کیونکر ہو سکتی ہیں، حالانکہ قرآن وحدیث میں ان کا ذکر نہیں آیا ہے، اور ان کو بہت کم لوگ جانتے ہیں، بلکہ اکثر لوگ ان کو صعوبت اور مشقت خیال کرتے ہیں، اور زیادہ تر لوگ اگر ان الفاظ کو سنیں تو بغیر ترجمہ کے ان کے معنی بھی نہ سمجھ سکیں، قرآن حدیث یا صحابہ کے کلام میں ان کا ذکر کہاں ہو؟ حالانکہ صحابہ کے بعد کے لوگوں کے علم کو صحابہ کے علم سے وہی نسبت ہو، جو صحابہ کے فضل، دین اور جہاد کی نسبت اون لوگوں کی طرف ہے، تو کیا متاخرین جنھوں نے یہ اصطلاحیں مجمل الفاظ اور متشابہ معنی کیساتھ پیدا کی ہیں، خدا کے پیغمبروں کے بعد سالکین کے مقامات و منازل کے سب سے بڑے عالم ہو سکتے ہیں،[۳]

بہت سے الفاظ ایسے تھے، جن کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود تھا، اور قدماء صوفیہ ان الفاظ کا استعمال بھی کرتے تھے، لیکن متاخرین نے ان کے اصطلاحی معنی بالکل بدلدئے، اسلئے ان کی حقیقت بھی بدل

---

[۱] مدارج السالکین جلد ۱ ص ۱۰۰، [۲] ص ۱۱۰، [۳] ص ۲۸۰،

گئی، مثلاً تصوف کی ایک اصطلاح سکر ہے، جس کے معنی متاخرین صوفیہ نے یہ بیان کئے ہیں کہ انسان اظہار مسرت پر بے اختیار ہو جائے، لیکن علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں، کہ سکر کے یہ معنی قرآن، حدیث، اور قدماء صوفیہ نے ہرگز نہیں بیان کئے ہیں، یہ صرف متاخرین کی اصطلاح ہے، اور بری اصطلاح ہو کیونکہ سکر اور مسکر ان الفاظ میں سے ہیں، جو عقلاً و شرعاً مذموم ہیں[۱]

اسی طرح فنا کا لفظ بھی قرآن وحدیث میں آیا ہے، اور قدماء صوفیہ بھی اس سے واقف تھے، لیکن متاخرین صوفیہ نے اس لفظ کے جو معنی بیان کئے، اسکی نسبت علامہ موصوف لکھتے ہیں، قرآن و حدیث صحابہ اور تابعین کے کلام میں لفظ فنا کی بھلائی اور برائی نہیں بیان کی گئی ہو، اور نہ انھوں نے اس لفظ کو اس معنی میں استعمال کیا ہے، اور نہ قدماء مشائخ نے اس کا ذکر کیا ہو، اور نہ اسکو غایت اور مقام ٹھہرایا ہو[۲]

بہرحال اسوقت ان اصطلاحات پر بحث و تنقید کرنا نہیں ہے، بلکہ صرف یہ دکھلانا ہے، کہ امام قشیری کے زمانہ یعنی پانچویں صدی تک جو اصطلاحات پیدا ہو گئی تھیں، وہ حسب ذیل ہیں:-

وقت، مقام، حال، قبض و بسط، ہیبت، انس، تواجد، وجد، وجود، جمع و فرق، فنا و بقا، غیبت و حضور، صحو و سکر، ذوق و شرب، محو و اثبات، ستر و تجلی، محاضرہ، کشف و مکاشفہ، مشاہدہ و معائنہ، لوائح، طوالع، لوامع، بوادہ، ہجوم، تلوین، و تمکین، قرب و بعد، شریعت، حقیقت، طریقت، نفس، خواطر، علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، وارد، شاہد، نفس، روح، سر، اور غالباً سب سے پہلے امام قشیری ہی نے ان اصطلاحات کو کتاب کی صورت میں جمع کیا، اور ان کی شرح لکھی، چنانچہ محدث ابن جوزی نے جہان تصوف کی کتابوں پر تنقید کی ہے وہان لکھا ہے کہ "عبد الکریم بن ہوازن قشیری نے صوفیہ کیلئے کتاب الرسالہ لکھی، اور اس میں عجیب عجیب باتیں، مثلاً فنا و بقا وغیرہ کے متعلق لکھیں، اور ان کی جو تفسیر کی وہ اس سے بھی عجیب تر تھی"[۳] اس کے بعد امام غزالی نے حسب ذیل اصطلاحات کا اضافہ کیا، سفر، سالک، مکان، شطح، ذہاب، وصل، فصل، ادب، تجلی، تخلی

---

[۱] مدارج السالکین جلد ۳ ص ۲۸۰ [۲] ص ۲۴۲، [۳] تلبیس ابلیس ص ۱۶۶

علت، اثر، حاج، غیرت، حریت، فتوح، وسم، رسم، زوائد، ارادہ، ہمت، غربت، مکر، اصطلام، رغبت و وجد اور
اونکی شرح لکھی،[1]

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی ناروا چیزوں کیلئے بھی خاص الفاظ وضع کرلئے گئے، اور انکے ان اصطلاحی ناموں سے انکی ظاہری بدنمائی دور کی گئی، مثلاً طمع کیلئے زیادت، بے ادبی کیلئے اخلاص، ناجائز چیزوں سے لذت اندوزی کیلئے طیبہ، بدخلقی کیلئے صولت، بخل کیلئے جلادت، ہوا پرستی کیلئے ابتلا، رجوع الی الدنیا کیلئے وصول، سوال کیلئے عمل، بدزبانی کیلئے ملامت، رقص و سرود کی مجلسوں میں جمع ہونے کیلئے اوقات، امارد کے لئے شہود، معشوقہ کیلئے اخت یعنی بہن، محبت کے لئے مرید، رقص و طرب کے لئے وجد، اور لہو و لعب کے مقامات کیلئے رباط، حالانکہ قدما کا یہ طریقہ نہ تھا،[2]

تصوف کے مختلف سلسلے اور طریقے، اس دور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ اس میں تصوف کے مختلف سلسلے پیدا ہوے، جن کے اعمال و اشغال باہم مختلف تھے، اور اس اختلاف کی وجہ شاہ ولی اللہ صاحب نے تفہیمات الٰہیہ میں یہ لکھی ہے، کہ جو مشائخ ایسے ملک میں رہتے تھے، جہاں کے باشندوں میں قوت بہیمیہ کا غلبہ تھا، انھوں نے ایسے اشغال و اعمال کو جزء تصوف بنایا، جنکی شدت قوت بہیمیہ کو ضعیف کردے، مثلاً شیخ بہاء الدین چونکہ ترکوں کے ملک میں پیدا ہوے، جن پر قوت بہیمیہ کا غلبہ تھا، اسلئے طریقۂ نقشبندیہ میں قوت بہیمیہ کے توڑنے کی طرف زیادہ توجہ کی گئی ہے، اور جو مشائخ معتدل ملکوں میں رہتے تھے، انھوں نے ایسے اعمال و اشغال مقرر کئے، جن پر اعتدال کیساتھ ہمیشہ عمل کیا جاسکے، اور جن مشائخ کے حلقے میں ایسے لوگ آئے، جنکی قوت بہیمیہ ضعیف تھی، انھوں نے صرف اوراد و وظائف پر قناعت کی، لیکن جن مشائخ کے حلقے میں وہ لوگ آئے، جنکی قوت بہیمیہ سخت تھی، انھوں نے اس قوت کے توڑنے کیلئے اعمال و اشغال بھی سخت قرار دئے، مثلاً عزلت گزینی، روزہ، شب بیداری، تجرد، اور ترک لذت وغیرہ،[3] غرض ملک و قوم کے مختلف حالات

[1] الغزالی ص ۱۹۲، [2] تلبیس ابلیس ص ۳۷۰ و رسالہ قشیریہ ص ۳۵، [3] تفہیمات الٰہیہ، ص ۷۴،

کے لحاظ سے یہ طریقے اور سلسلے بھی لازمی طور پر مختلف ہو گئے، اور زمانۂ مابعد میں ان میں بدعات و محدثات کا اسقدر اضافہ ہوتا گیا، کہ ان کی اصلی صورت بھی قائم نہ رہ سکی، مثلاً تصوف کا ایک طریقہ احمدیہ کے نام سے موسوم ہے، جو شیخ ابوالعباس رفاعی کے پوتے شیخ احمد قوچک کی طرف منسوب ہے، اور اس کی نسبت ابن بطوطہ نے ایک چشمدید واقعہ یہ لکھا ہے، کہ جب نماز عصر ہو چکی، تو طبل و دف بجنے لگے، اور اس طریقہ کے فقراء نے ناچنا شروع کیا، پھر سب نے مغرب پڑھی، اور دسترخوان پر آکر کھانا کھایا، اس کے بعد عشا پڑھی اور ذکر میں مشغول ہوے، پھر سماع کرتے رہے، ان لوگوں نے لکڑی کے بہت سے گٹھر جمع کر رکھے تھے، جن کو انھوں نے جلایا، اور اسکے وسط میں گھسکر ناچنا شروع کیا، اور بعض لوگ اس میں لوٹنے لگے، اور بعض لوگ انگارے کھانے لگے، یہاں تک کہ آگ بجھ گئی، ان میں بعض لوگ ایسے ہیں، جو ایک بڑے سانپ کو پکڑتے ہیں، پھر اوس کے سر کو دانتوں سے چبا ڈالتے ہیں، اور یہ خصوصیت صرف اسی فرقے میں پائی جاتی ہے،[1] لیکن اس طریقہ میں اس قسم کی شعبدہ بازی بعد کو داخل ہو گئی، ورنہ خود بانی طریقہ اس سے بالکل ناآشنا تھا، چنانچہ نفحات الانس تذکرۂ احمد بن ابی الحسن رفاعی میں ہے،

ولکن اصحابه ففيهم الجيد والردی	لیکن ان کے اصحاب تو ان میں برے بھلے
یدخل بعضهم النيران ويلعب	ہر قسم کے لوگ شامل ہیں، ان میں بعض لوگ آگ
بالحيات وهذا ما عرفه الشيخ ولا	میں گھس جاتے ہیں، اور سانپوں سے کھیلتے ہیں،
صلحاء اصحابه.	لیکن شیخ اور ان کے صلحائے اصحاب اس سے ناآشنا تھے

غرض اس دور میں تصوف کے مختلف سلسلے مختلف ممالک میں پھیلے، چنانچہ ہندوستان، ماوراء النہر اور مکہ اور مدینہ میں طریقۂ نقشبندیہ کا رواج ہوا، طریقۂ قادریہ کو ہندوستان و عرب میں مقبولیت حاصل ہوئی، طریقۂ چشتیہ ہندوستان میں بہت زیادہ مقبول ہوا، توران اور کشمیر میں طریقۂ کبرویہ نے شہرت حاصل کی، مغرب، مصر، و...

[1] ابن بطوطہ جلد ۱ ص ۱۳۵،

اور مدینہ میں طریقۂ شاذلیہ کا رواج ہوا، طریقۂ شطاریہ نے ہندوستان میں حسن قبول حاصل کیا، سلسلۂ جلالیہ روم میں احمدیہ عراق میں، اور حیدریہ خراسان میں پھیلا، یہ لوگ شیخ قطب الدین حیدر کی طرف منسوب تھے، اور انکی خصوصیت یہ تھی، کہ ہاتھوں گردنوں اور کانوں میں لوہے کے حلقے پہنتے تھے،

ان طریقوں میں جو طریقہ سب سے زیادہ شریعت کے موافق اور بدعات و محدثات سے محفوظ تھا، وہ طریقۂ نقشبندیہ تھا، چنانچہ ابتدائی سلوک ہی میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کو جو غیبی اشارہ ہوا وہ یہ تھا،

در ہمہ احوال قدم بر جادۂ امر و نہی، نہی و عمل بعزیمت و سنت بجا می آری، و از رخصتہا و بدعتہا، دور باشی و دائما احادیث مصطفےٰ را صلی اللہ علیہ وسلم پیشوائے خود سازی و متفحص و متجسس اخبار و آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابۂ کرام او رضی اللہ عنہم باشی،

یہی وجہ ہے کہ اس طریقہ میں ذکر جہری، خلوت اور سماع نہیں ہے، چنانچہ ایک شخص نے خود خواجہ بہاء الدین نقشبند سے پوچھا، کہ آپکے طریقہ کی بنیاد کس چیز پر ہے، تو فرمایا،

خلوت در انجمن بظاہر با خلق و بباطن با حق سبحانہ و تعالیٰ،

جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ طریقہ آئین نبوت کے موافق اور ارشاد و ہدایت کیلئے موزوں ہے، اسی بنا پر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تصوف کی تجدید و اصلاح کے سلسلے میں اسی طریقہ کی دعوت دی ہے، اور متاخرین نے اس میں جن بدعتوں کا اضافہ کر دیا تھا، اُن سے اس کو پاک کیا ہے،

---

[1] ابن بطوطہ جلد اول ص ۲۲۱، [2] ” ص ۲۹۸، [3] نفحات الانس تذکرہ خواجہ بہاء الدین نقشبند،

تلخیص و تبصرہ

پچھلے پچیس برس میں ہندوستان کی صنعتی ترقی

پچھلے پچیس برس میں ہندوستان کی صنعت میں نمایاں طور پر ترقی ہو گئی ہے، گذشتہ صدی میں صنعت و حرفت ایک ضمنی چیز خیال کی جاتی تھی، اور اس کا تعلق صرف معدودے چند افراد یا جماعتوں سے تھا، ہندوستان بحیثیت مجموعی اس سے بالکل بے تعلق تھا، حکومت کو بھی کوئی دلچسپی نہ تھی، لارڈ مورلے کے عہد تک حکومتِ ہند نے صنعت و حرفت پر کوئی خاص توجہ نہیں کی، لیکن آج ہندوستانی صنعت کو ترقی دینے کا خیال ملک کے ہر صاحبِ فکر کو اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے، حکومت کی سابق بے تعلقی بھی اب باقی نہیں رہی، وہ محسوس کر رہی ہے، کہ اصول عدم مداخلت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، اور صنعت و حرفت کی ترقی کے وسائل اختیار کرنا، وقت کا اولین فرض ہے،

اس تبدیلی کے اسباب مختلف اور متعدد ہیں، ایک سبب تو فاقہ کشی ہے، آبادی کی روز افزوں ترقی نے یہ سوال پیدا کر دیا ہے، کہ جس ملک کی خوراک کا انحصار زراعت پر ہے، لیکن جہاں زراعت کو ترقی دینے کے سائنٹفک وسائل کم استعمال ہو رہے ہیں وہاں اس بڑھتی ہوئی آبادی کا پیٹ کیونکر بھرا جائے گا، دوسرا سبب تعلیم کی ترقی ہے، ہندوستان میں زراعت کے جو طریقے رائج ہیں، انھیں اختیار کرکے ایک تعلیم یافتہ شخص زیادہ ترقی نہیں کر سکتا، برخلاف اس کے صنعت و حرفت کی مختلف شاخوں میں اُسکے لئے ترقی کے مواقع بہت زیادہ ہیں، تیسرا سبب جنگِ عظیم ثابت ہوئی، دورانِ جنگ میں جب بین الاقوامی تجارت

کے نظم میں خلل واقع ہوا، تو بیشتر ممالک اور بالخصوص ہندوستان نے اپنے ہی وسائل و ذرائع پر مجبوراً اعتماد کرنا شروع کیا، اور جب چند سالوں تک وہ ایسا کر چکے، تو پھر توقع بھی نہیں کیجا سکتی تھی، کہ قیام صلح کے بعد دفعتہ وہ اس جدید تجربہ اور خود اعتمادی کو ترک کر دیں گے، جنگ عظیم نے اس دیرینہ اصول کو بالکل فنا کر دیا، کہ قوموں کی معاشی فلاح کے لئے ضروری ہے، کہ ان میں سے بعض صرف کچا مال پیدا کریں، اور بعض اس مال سے اپنے کارخانوں میں صنعتی چیزیں تیار کریں، قومیں اب پہلے کی طرح تیار نہیں ہیں، کہ دوسروں کے کارخانوں کے لئے اپنے ہاں کچا مال پیدا کریں، لیکن اس تبدیلی کا بڑا سبب ۱۹۱۶ء کا صنعتی کمیشن (Industrial Commission) تھا، جس نے اپنی رپوٹ (۱۹۱۸ء) میں حکومت ہند سے ہندوستانی صنعت وحرفت کو ترقی دینے کی پرزور سفارش کی، یہ صحیح ہے کہ کمیشن کی سفارشوں کے اکثر حصہ پر عمل درآمد نہیں ہوا، تاہم اسی کا نتیجہ تھا، کہ ۱۹۲۱ء کا مالیاتی کمیشن (Fiscal Commission) بیٹھا، ایک ٹیرف بورڈ (Tariff Board) قائم ہوا، صنعت وحرفت کے متعلق کچھ قوانین وضع ہوئے، اور ۱۹۲۹ء میں مزدور پیشہ جماعت کے حالات کی تحقیق کے لئے ایک رائل کمیشن مقرر ہوا، جو وہٹلے کمیشن (Whitley Commission) کے نام سے مشہور ہے،

مغرب سے تجارتی تعلقات کے قائم ہو جانے سے ہندوستان کا قدیم معاشی نظام درہم برہم ہو گیا، اور اگرچہ کسان اپنی جگہ پر قائم رہے، تاہم کاریگر جو کسان کی سیدھی سادی ضرورتوں کو پورا کر کے کچھ پیدا کر لیتے تھے، زیادہ تر بے روزگار ہو گئے، اور ان کو بھی مجبوراً زراعت ہی کا پیشہ اختیار کر لینا پڑا، جس سے زمین پر بار بڑھتا ہی گیا، کسی قدر تلافی زراعت کی اُن جدید شاخوں سے ہو گئی، جو دوران صدی میں یورپین سرمایہ سے قائم کی گئی تھیں، مثلاً چائے، کافی، سن، نیل وغیرہ، لیکن ان چیزوں کی کاشت مقامی تھی، اور چونکہ جن سامانوں کی ان میں ضرورت تھی، انکی فراہمی ہندوستانی کاریگروں کی دسترس سے باہر تھی،

اسلئے انھیں ملک کے جن حصوں میں فروغ ہوا بھی، وہاں بھی ان سے پوری تلافی نہ ہو سکی،

۱۹۱۱ء میں صنعت وحرفت کے متعلق جو اعداد وشمار مرتب کئے گئے تھے، اُن سے اب سے پچیس سال قبل کی ہندوستانی صنعت کا اندازہ ہوتا ہے، کارخانے (یعنی وہ جن میں کام کرنے والوں کی تعداد بیس سے زائد تھی) شمار میں صرف ۷،۱۱۳ تھے، ان میں سے ۴۵۶۹ مشین سے چلتے تھے، کام کرنے والوں کی تعداد ۲۱۰۵۸۲۴ تھی، صرف چار قسم کی صنعتوں میں ایک لاکھ سے زیادہ مزدور کام کرتے تھے، یعنی چائے، کپاس، سن اور کافی وغیرہ کی کاشت میں ۸۱۰۴۰۰، پارچہ بافی میں ۵۵۷۵۸۹، کانوں میں ۲۲۴۰۰۰ اور باربرداری میں ۱۲۵۱۱۷، مشین کے تمام کارخانوں میں کام کرنے والوں کی تعداد ۲۲۱۴۷ تھی،

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک کی ضروریات کو پورا کرنے میں ہندوستانی صنعتوں نے بہت کچھ ترقی کر لی ہے، جنگ عظیم سے پہلے ہندوستان کی معدنی پیداوار صرف چھ چیزوں تک محدود تھی یعنی کوئلہ، پٹرولیم، سونا، کچا لوہا، نمک اور ابرک، اب ان کے علاوہ اور چیزیں بھی کان سے نکالی جاتی ہیں، سائنس کی ترقی نے صنعت وحرفت پر بھی مختلف طریقوں سے اثر ڈالا ہے، بیسویں صدی کی ابتدا میں بجلی کی روشنی کارخانوں میں رائج کی گئی، اور بمبئی کے کارخانوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے مزدوروں سے ۱۴-۱/۲ گھنٹے کا کام لینا شروع کر دیا، کبھی کبھی پانچ بجے صبح سے ۹ بجے رات تک کارخانے جاری رہتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ مزدوروں میں ایک شورش پیدا ہو گئی، اور ۱۹۰۸ء میں ایک کمیشن بیٹھا، اس وقت تک ۱۸۹۲ء کا فیکٹری ایکٹ جاری تھا، کمیشن مذکور کی تحقیقات کے بعد ۱۹۱۱ء میں ایک دوسرا فیکٹری ایکٹ نافذ کیا گیا، جس سے کام کرنے کے گھنٹوں میں تخفیف کر دی گئی، اور پھر جب ۱۹۲۲ء میں ہندوستان انجمن اقوام کا ایک رکن ہو گیا، تو اس ایکٹ میں مزید ترمیم کر دی گئی،

جنگ عظیم کے زمانہ میں ہندوستان کی جس صنعت کو سب سے زیادہ ترقی ہوئی، وہ ٹاٹا کے لوہے کی

صنعت تھی اسکی ابتدا ارجنگ سے قبل ۱۹۱۰ء میں ہو گئی تھی، لیکن فروغ دوران جنگ میں حاصل ہوا، اس وقت تک ہندوستان کا کچا لوہا بہت کم استعمال میں آیا تھا، اور صرف کلٹی ( ) کے کارخانوں میں اس سے چیزیں بنائی جاتی تھیں، مسٹر ٹاٹا نے پہلے صوبہ جات متوسط کا انتخاب کیا تھا، لیکن جب میور بھنج (Mayurbhanj) میں کچے لوہے کا ذخیرہ نکلا، تو انھوں نے قریب ہی کے جنگل میں ایک قطعہ زمین خرید لیا، جہاں اسوقت جمشید پور کا عظیم الشان شہر آباد ہے، اور جہاں ٹاٹا کے کارخانہ کے گرد متعدد اہم صنعتیں قائم ہو گئی ہیں، ابتداءً اس کارخانہ میں ہر سال (۱۶۰۰۰) ٹن لوہا، اور (۱۰۰۰۰) ٹن فولاد تیار ہوتا تھا، لیکن دونوں چیزیں اب اس سے بہت زیادہ مقدار میں تیار ہوتی ہیں، ہندوستان کو لوہے کی اپنی صنعت کے قائم کرنے کا جو حوصلہ تھا، جمشید پور نے اسے پورا کر دیا، اور کلٹی، اور ہیرا پور (واقع آسنسول) کی شمولیت میں جمشید پور ہندوستان کے علاوہ دوسرے ملکوں کی ضرورتوں کو بھی پورا کرتا ہے، جمشید پور جنگل سے نکل کر ایک اہم صنعتی مرکز ہو گیا ہے، جنگ کے زمانہ میں ٹاٹا نے ہندوستان کی اندرونی ضرورتوں کو بھی پورا کیا، اور حکومت کے لئے بھی سامان جنگ بہم پہنچایا، ماہرین کا خیال ہے کہ ہندوستان میں فولاد کی صنعت کیلئے اتنا زیادہ سامان موجود ہے کہ اس سے ہندوستان اور مشرق بعید کی تمام ضروریات پوری ہو سکتی ہیں،

ایک زمانہ میں ہندوستان کے معدنیات میں سونا سب سے زیادہ اہم چیز تھی، لیکن مدت ہوئی کوئلہ نے اسے دبا لیا، اور اب چند سالوں سے سونے کی پیداوار کم بھی ہو گئی ہے، چاندی، سیسہ، جستہ بادوین (Bawdwin) واقع برما میں کھود کر نکالے جاتے ہیں، ان تین چیزوں کا ایک حصہ نیز مینگنیز (Manganese) ابرک اور ٹین کا کچھ حصہ کچے مال کی حیثیت میں ہندوستان سے باہر روانہ کیا جاتا ہے کیونکہ ہندوستان ابھی تک اپنی تمام پیداوار کو صاف کرنے کا سامان بہم نہیں پہنچا سکا ہے، یہ چیزیں مال کی تیاری کے بعد درآمد کے طور پر واپس آجاتی ہیں، سب سے بڑی معدنی صنعتیں

کوئلہ اور پٹرولیم کی ہیں، کوئلہ خصوصیت کے ساتھ بنگال، بہار اور صوبہ جات متوسط میں نکلتا ہے، اور پٹرولیم برما، آسام، بلوچستان، اور پنجاب میں، ۱۹۱۹ء میں ہندوستانی کوئلہ کی پیداوار تقریباً دو کروڑ تیس لاکھ ٹن تھی،

حال میں شکر سازی کی صنعت نے بہت زیادہ ترقی کر لی ہے، جسکی بڑی وجہ وہ قوانین ہیں، جو حکومت ہند نے جاوا کی شکر کے خلاف نافذ کر دئے ہیں، شکر کے کارخانے زیادہ تر شمالی ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں، سوتی کپڑوں کی صنعت جو پہلے بمبئی کیساتھ مخصوص تھی، جنگ عظیم کے بعد بمبئی کی بہ نسبت ملک کے دوسرے حصوں میں زیادہ پھیل گئی ہے، اور اسکے نئے برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک کے کساد بازاری کے زمانہ میں بھی بیش از بیش قیمتوں پر مشینیں خرید کر کارخانے قائم کئے گئے ہیں،

سوتی کپڑوں کی صنعت جو مغربی ہند کی صنعت ہے، عموماً پارسیوں اور ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہے، برخلاف اسکے سن جو مشرقی ہند کی صنعت ہے، تقریباً تمام تر اہل یورپ کی نگرانی اور انتظام میں ہے، سوتی کپڑوں کے کارخانے بہت سے مرکزوں میں پھیلے ہوئے ہیں، لیکن مدراس کے چار اور بہار کے ایک کارخانے کے علاوہ سن کے جتنے کارخانے ہیں، وہ سب دریائے ہوگلی کے کنارے واقع ہیں، بنگال کے کارخانوں کو ایک بڑا فائدہ یہ حاصل ہے کہ وہاں ایک خاص قسم کا عمدہ سن پیدا ہوتا ہے، جو ہندوستان کے کسی دوسرے حصہ میں نہیں پیدا ہوتا، وٹیلے کمیشن نے اس صنعت کی ترقی سے متعلق مندرجہ ذیل اعداد فراہم کئے تھے،:-

۱۸۹۳ء میں (۲۶) کارخانے، کام کرنے والوں کی تعداد (۶۶۰۰۰)

۱۹۱۲ء میں (۶۳) " " " " (۲۰۱۰۰۰)

۱۹۲۹ء میں (۹۵) " " " " (۳۴۷۰۰۰)

جنگ کے زمانہ میں اس صنعت کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی تھی، اور اس کے حصہ دارون

نے بڑی دولت کمائی، دسمبر ۱۹۱۸ء کے ٹائمز کے ایک مقالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوران جنگ میں ہندوستان سے جسقدر سن باہر گیا، اسکی قیمت (۱۳۷،۰۰۰،۰۰۰) پونڈ تھی، اسمیں تقریباً بیس لاکھ ٹن کچے سن کے علاوہ (۲۸۲۳،۰۰۰،۰۰۰) بورے اور (۴۶۵۳،۰۰۰،۰۰۰) گز سن کے بنے ہوئے کپڑے شامل تھے،

لیکن یہی چند بڑی بڑی صنعتیں ہندوستان کی تمام صنعتیں نہیں ہیں، اگر یہاں کی تمام صنعتوں کو شمار کیا جائے، تو ان کی تعداد سو سے بڑھ جائے گی، ان میں خاص خاص یہ ہیں:- ریلوے اور ٹرامویے کے کارخانے، کاغذ بنانے کے کارخانے، بجلی کے کارخانے، سگریٹ کے کارخانے، تیل کے کارخانے، بمبئی، پنجاب اور کانپور کے اونی کپڑون کے کارخانے، ریشم کے کارخانے، دباغت کے کارخانے، چھاپہ خانے، آرہ کشی کے کارخانے، دیاسلائی کے کارخانے، اور سیمنٹ کے کارخانے، ان کے علاوہ گرگہ کی صنعتیں ہیں، قالین بُنے جاتے ہیں، ٹین بنتے ہیں، شیشہ کی چیزین ڈھالی جاتی ہیں، موزے بنائے جاتے ہیں، مختلف دھاتون کے بکس، ڈبے، اور کنٹر وغیرہ تیار کئے جاتے ہین، نئی صنعتوں میں ٹین کے ڈبے، اور کنٹر وغیرہ بنانے مین بہت ترقی ہوئی ہے، ٹین کے ڈبے ہندوستان کے لئے خصوصیت کیساتھ بہت مناسب ہین، یہ مضبوط اور ہلکے ہوتے ہین، اور اس طرح بند کئے جاسکتے ہیں کہ ہوا اندر نہ جاسکے، اور چیزین خراب نہ ہون، اس صنعت نے مختلف قسم کی تجارتی چیزون کے محفوظ طریقہ پر رکھنے کے لئے بڑی سہولت پیدا کر دی ہے، ٹین کے ڈبے چھوٹے بڑے ہر قسم اور ہر شکل کے بڑی سے بڑی تعداد میں اب دستیاب ہو سکتے ہیں، پہلے تاجرون کو اس بارہ میں بہت کچھ دشواری پیش آتی تھی،

(س - ا ضمیمہ جوبلی)

"ع ز"

پیشہ کا انتخاب

ذیل کا مضمون جو رسالہ لٹریری ڈائجسٹ کے ایک مقالہ کا خلاصہ ہے اپنے موضوع کے اعتبار سے ہندوستان کے لئے خصوصیت کیساتھ قابل توجہ ہے، مقالہ نگار نے امریکہ کے حالات پیش نظر رکھے ہیں، لیکن

اس باب میں ہندوستانی طلبہ کی حالت جس درجہ افسوسناک ہے، اس سے امریکہ کو دور کا تعلق بھی نہیں ہے،

پہلے کسی پیشہ کا انتخاب زیادہ تر اتفاقات یا مواقع کی بنا پر کیا جاتا تھا، اور اختیار کرنے والے کے ذوق رجحان، یا صلاحیت کا لحاظ بہت کم ہوتا تھا، اسکی تصدیق آج بھی بہتیرے سن رسیدہ اشخاص کر سکتے ہین اگر وہ اُن حالات پر نظر ڈالیں، جن کے ماتحت انھوں نے اپنے پیشون اور معاش کے وسیلون کا انتخاب کیا تھا، سمجھدار والدین نے ضرور اپنی اولاد کے لئے ہمیشہ کسی معزز طریق معاش کی جستجو کی ہے، لیکن انتخاب کے وقت انھون نے بھی ضرورت سے زیادہ لحاظ روپیہ ہی کا کیا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ہزارون مرد اور عورتین ایسے کاموں پر اپنی قوتون کو صرف کر رہی ہیں، جن سے انھیں مطلق دلچسپی نہیں ہے، یا اگر ہے تو بہت کم،

جو لوگ خوش قسمتی سے اپنے خاطر خواہ اور دلپسند کامون میں مدت العمر سے مصروف ہیں، وہ اُن افسردہ کن حالات سے واقف نہیں ہیں، جو ہزارون آدمیون کی زندگیوں کو خلاف مزاج پیشوں کے مجبوراً اختیار کرنے کی وجہ سے تلخ کر رہے ہیں، زندگی کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے، کہ ذہین اور قابل اشخاص محض دولت کے خاطر ایسے کاموں میں اپنی عمرین صرف کر دین، جن سے انکی طبیعت کو ذرا بھی لگاؤ نہین ہے، اور جن مقاصد کے حصول کے وہ دل سے خواہاں ہیں، انکے مواقع سے ہمیشہ محروم ہی رہیں،

بعض وجوہ سے والدین کو یہ خیال پیدا ہو گیا ہے، کہ پیشہ یا روزگار کے انتخاب کا سوال اُسوقت پیش آتا ہے، جب لڑکا اعلیٰ تعلیم کے لئے کالج میں داخل ہوتا ہے، اور یہ کہ انتخاب کی تمام ذمہ داری افسران کالج ہی کے سر ہے، حال میں نیویارک کا ایک دولتمند کاروباری شخص اپنے اکلوتے لڑکے کو داخلہ کی غرض سے نیو انگلینڈ کے ایک کالج میں لے گیا، اور کالج کے پریسیڈنٹ سے کہنے لگا، کہ "مجھے عدیم الفرصتی کی وجہ سے لڑکے کی طرف توجہ کرنے کا بہت کم موقع ملا ہے، لیکن میرا خیال اب یہ ہے کہ قبل اسکے کہ یہ اپنی زندگی کا مستقل کاروبار شروع کرے، اوسکی تربیت کچھ ہو جانی چاہئے، میں نے اسے مطلق تربیت نہیں دی ہے، لیکن مجھے امید ہے کہ آپ اپنے پروفیسرون کی مدد سے اسکی تلافی کر دین گے، اور جب آپ اس کام کو پورا کر لین، تو

اسکی اجرت کا حساب میرے پاس بھیجدیں، میں بخوشی اُسے ادا کر دونگا،" ناظرین کو یہ معلوم کرکے حیرت ہوگی، کہ اس قسم کے لڑکے کتنی کثیر تعداد میں کالج میں اس توقع کیساتھ بھیجے جاتے ہیں، کہ جو نقصان والدین کی لاپروا ہی سے ہوچکا ہے، وہاں اساتذہ کی توجہ سے اسکی تلافی ہوجائیگی،

زندگی کا مستقل کام شروع کرنے کے لئے تیاری کی پہلی منزل گھر ہی سے شروع ہوتی ہے، اگر کوئی شخص لڑکے کی آیندہ زندگی کیلئے صحیح راہ عمل قائم کرسکتا ہے، تو وہ اسکے والدین ہی ہیں، والدین کو چاہئے کہ جس توجہ کیساتھ وہ اپنی دلچسپی کے دوسرے کاموں کو کرتے ہیں، ویسی ہی توجہ اپنی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت میں بھی برتیں، اکثر اوقات غفلت یا ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار کا نتیجہ اولاد کے حق میں جتنا مضر ہوتا ہے، اتنا ہی خود انکے لئے بھی تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے،

کام ہی سے خوشی اور کامیابی حاصل ہوتی ہے، عموماً کوئی لڑکا بیکار رہنا پسند نہیں کرتا، وہ دل سے کام کرنا چاہتا ہے، بشرطیکہ اُسے اپنے رجحان کے موافق کام کرنے کا موقع ملے، ضرورت ہے کہ اُسکے صحیح رجحان کو معلوم کیا جائے اور پھر اسکے متعلق اُسے بہترین مشورہ دیا جائے، دیکھا گیا ہے، کہ ایسا کرنے سے بعض لڑکوں نے بارہ سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی اپنے آیندہ کاروبار زندگی کے لئے ایک راہ عمل متعین کرلی ہے، برخلاف اسکے ہزاروں نہایت ذہین اور لائق طلبہ کالج کی تعلیم سے فارغ ہونے تک بھی یہ طے نہیں کرپاتے، کہ اُنھیں آیندہ کیا کرنا ہے،

بہت سے ڈاکٹر اور وکیل وغیرہ اپنے لڑکوں کو اپنے ہی پیشہ کی تعلیم دینا چاہتے ہیں، بلا خیال اسکے کہ خود ان لڑکوں کا میلان بھی اس جانب ہے یا نہیں، اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر باپ کسی پیشہ میں کامیاب ہوکر بہت سی دولت کا مالک ہوگیا ہے، تو لڑکا بھی اُسی پیشہ کو اختیار کرنا چاہتا ہے، اگر لڑکے کو اس کام سے طبعی دلچسپی پیدا ہوگئی ہے، تب تو بہت ہی اچھا ہے، ورنہ اگر محض دولت ہی کی خاطر وہ اس میں مصروف رہتا ہے تو پھر اُس لطف و مسرت سے بہت کچھ محروم ہوجاتا ہے، جو اپنی پسند کے کام میں حاصل ہوتی ہے، زندگی کی کامیابی کا معیار محض دولت کی فراہمی نہیں ہے، زندگی کا مقصد اس سے بہت زیادہ بلند ہے، جو لوگ لڑکوں کی صحیح رہنمائی کے ذمہ دار ہیں، اُنھیں اُس کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے،

"ع ز"

اخبار علمیہ

صلح کا علم

ایک ایسا علم جس کا مقصد دوران جنگ میں علوم و فنون کے ذخیرون کا تحفظ ہے، عنقریب بین الاقوامی طور پر تسلیم کرلیا جائے گا، امریکہ کی چھ جمہوریتوں نے اس علم کو اختیار کرنا منظور کرلیا ہے، تاکہ اسکے ذریعہ انکے عجائب خانے گرجے، کتبخانے، اور یونیورسٹیاں جنگ کی تباہی و بربادی سے محفوظ رہ سکیں، تمام دنیا کی حکومتوں کو اس علم کے تسلیم کرنے کی دعوت دی گئی ہے، اور امید کیجاتی ہے کہ آیندہ جنگ سے قبل ہر حکومت اُسے سرکاری طور پر تسلیم کرے گی، اس علم کی زمین سفید ہے، جس پر سُرخ حلقہ میں تین سُرخ نقطے بنے ہوئے ہیں، یہ نقطے نوعِ انسانی کی روحانی، فنی، اور تعلیمی قوتوں کی وحدت کو ظاہر کرتے ہیں، جنگ عظیم کے زمانہ میں یہ علم فنی، سائنٹفک مذہبی، اور تعلیمی عمارتوں اور یادگاروں کی نشان دہی کیلئے استعمال کیا جائے گا،

اس تحریک کی ابتدا، دراصل اب سے تین سال قبل ہوچکی تھی جبکہ نکولس رورک (...) نامی ایک نوجوان آرٹسٹ و ماہر آثار قدیمہ نے روس میں نوف گورود (...) کے بعض آثارِ قدیمہ کے اکتشافات سے متاثر ہوکر حکومت روس سے درخواست کی تھی، کہ ایسی تدبیر عمل میں لائی جائے، جس سے تمدنی خزینے تباہی سے محفوظ ہوجائیں، رورک کی کوشش اسوقت بے سود ثابت ہوئی، لیکن جنگ عظیم کے دوران میں جب بلجیم کا کتب خانہ اور رائمس کا گرجا (فرانس) دونوں برباد ہوگئے، تو رورک نے ازسرنو کوشش شروع کی، اور ایک بین الاقوامی انجمن قائم کرکے تمام حکومتوں کو ہمدردی

یادگاروں کے تحفظ کی دعوت دی، چنانچہ یہ تحریک اب ہر قوم و ملک میں مقبول ہوتی جارہی ہے، اور عنقریب تمام حکومتیں متفقہ طور پر رورک کی دعوت کو قبول کرلیں گی، دنیا کی تمام علمی، مذہبی، اور فنی یادگاروں کی ایک جامع و مانع فہرست تیار کی جارہی ہے، جس کی رجسٹری کردی جائے گی، اور یہ یادگاریں جنگ کے زمانہ میں صلح کے علم کے ذریعہ محفوظ و مامون سمجھی جائیں گی،

آواز کی خوردبین

نیویارک یونیورسٹی کے ایک ماہر آواز مسٹر کارل جانس (Karl Johns) نے ایک آلۂ آواز کی خوردبین ایجاد کیا ہے، جس کے ذریعہ (..........................) گنا زیادہ آواز بلند کی جاسکتی ہے، چنانچہ جب اوس کا تجربہ کیا گیا، تو وہ آواز جو گھن کے گیہوں کے کاٹنے سے پیدا ہوتی ہے، اتنی بلند ہوئی کہ کالج میں قریب کے درجوں سے اس شور کے متعلق مسٹر جانس کے پاس شکایتیں پہنچیں،

شہری زندگی کی قدامت

ڈاکٹر آرتھر پوپ، ماہر آثار قدیمہ (امریکہ) نے اعلان کیا ہے کہ ایران میں آثار قدیمہ کی جو کھدائی حال میں ہوئی ہے، اوس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اب سے سات ہزار اور شاید آٹھ ہزار سال پہلے بھی وہاں شہر آباد تھے، چونکہ خیال کیا جاتا ہے، کہ تہذیب و تمدن اور شہری زندگی کی ابتدا ساتھ ہی ساتھ ہوئی، اس لئے یہ انکشافات بہت کچھ اہمیت رکھتے ہیں،

ریڈیو کی ہمہ گیری

ریڈیو کے ذریعہ سننا ایک نہایت معمولی چیز ہوگئی ہے، ریڈیو کے ذریعہ دیکھنا عنقریب ممکن ہوجائیگا، اب چند روز ہوئے، ڈاکٹر الفرڈ گولڈاسمتھ (امریکہ) نے پیشین گوئی کی ہے کہ مستقبل میں ہم ریڈیو کے ذریعہ

چھو بھی سکیں گے، چکھ بھی سکیں گے، اور سونگھ بھی سکیں گے، یہ پیشین گوئی صرف ڈاکٹر صاحب کے تخیل کی بلند پروازی کا نتیجہ ہے، اور اوس کو ہنوز کسی تجربہ سے ذرا بھی تعلق نہیں، جیسا کہ موصوف کو خود بھی اعتراف ہے،

جاپان میں آبادی اور معاش کا مسئلہ

جاپان کی آبادی اس تیز رفتاری کیساتھ بڑھ رہی ہے، کہ معاش کا مسئلہ روز بروز زیادہ دشوار ہوتا جاتا ہے، رسالہ نیچر کی اطلاع ہے، کہ وہاں کی آبادی میں ہر سال دس لاکھ سے زیادہ کا اضافہ ہوتا ہے، اسوقت ہر مربع میل آبادی کا اوسط ۴۴۲ ہے، اگرچہ جاوا، بلجیم، انگلستان، اور ہالینڈ کا اوسط فی مربع میل اس سے زیادہ ہے، تاہم جاپان میں بڑی دقت یہ ہے، کہ وہاں صرف سولہ فی صدی زمینیں قابل کاشت ہیں، ایسی زمینوں کے ہر مربع میل پر ۲۷۷۴ آدمی آباد ہیں، اور اب مزید آبادی کی مطلق گنجایش نہیں ہے، نصف مزرعے وسعت میں ڈیڑھ ایکڑ سے بھی کم ہیں، اور تین چوتھائی ڈھائی ایکڑ سے بھی کم، جاپان کے لوگ دوسرے ملکوں میں کم آباد ہوتے ہیں، باہر رہنے والوں کی تعداد صرف تقریباً ۶۳۵۰۰۰ ہے، آبادی اور معاش کا مسئلہ صنعت و حرفت اور تجارت کی ترقی سے کچھ حل ہوسکتا ہے، لیکن کوئلہ، کچا، لوہا، پٹرولیم، اور دوسرے کچے مالوں کی ناکافی پیداوار سے صنعت و حرفت کی ترقی بھی خاطر خواہ نہیں ہوسکتی، علاوہ بریں ماہرین کا خیال ہے، کہ جاپانی کارخانوں میں جس قسم کے لوہے، اور کوئلہ کی ضرورت ہے، منچوریا کی کانوں سے اُس قسم کا لوہا، اور کوئلہ فراہم نہیں ہوسکتا، اسوقت آبادی کا صرف دسواں حصہ کارخانوں میں کام کررہا ہے،

تحقیق کی تازہ دعوت

پوپ کے ادارۂ سائنس واقع روما (PONTIFICAL ACADEMY OF SCIENCES OF THE VATICAN CITY) کی طرف سے دس ہزار لیرا (ایک اطالوی سکہ جو قیمت میں آٹھ دس آنہ کے برابر ہے،) کا انعام زمین کی اندرونی ساخت کی تفتیش و تحقیق پر بہترین اور بخیل اور غیر مطبوعہ

مقالہ کیلئے پیش کیا گیا ہے، ہر قوم کے ماہرین سائنس کو اس مقابلہ میں شرکت کی دعوت دی گئی ہو، مقالہ کی پانچ ٹائپ شدہ نقلیں فرانسیسی، اطالوی، یا لاطینی زبان میں یکم نومبر ۱۹۳۵ء تک ادارہ مذکور میں پہنچ جانی چاہئیں، اس ادارہ کا کوئی رکن خواہ وہ روما میں رہتا ہو، خواہ کہیں باہر، مقابلہ میں شریک ہونے کا مجاز نہ ہوگا، تمام مقالے ایک منتخب کمیٹی کے سامنے پیش کئے جائیں گے، جسکے فیصلہ کے مطابق ادارہ کے آیندہ اجلاس میں جو دسمبر ۱۹۳۵ء میں منعقد ہوگا انعام دیا جائیگا۔

خشکی کے سب سے بڑے جانور کا انکشاف

امریکہ کے دو ماہرین سائنس ڈاکٹر گرانجر (GRANGER) اور ڈاکٹر گریگری (GREGORY) نے دس سال کی محنت کے بعد گذشتہ اپریل میں اُس عظیم الشان جانور کا ڈھانچہ تیار کر لیا ہو، جسکی چند ہڈیان ۱۹۱۱ء میں سب سے پہلے بلوچستان میں برآمد ہوئی تھیں، ماہرین مذکور کا بیان ہو، کہ یہ جانور اب سے دو کرور پچاس لاکھ برس پہلے مشرقی ایشیا کے صحرائے گوبی میں پایا جاتا تھا، جہان اُسوقت ریگستان کے بجائے ہر طرف جنگل اور پانی نظر آتا تھا، اسکی تحقیق کیلئے ۱۹۲۲ء میں سب سے پہلی مہم امریکہ سے روانہ ہوئی تھی، جسکے بعد وہیں سے اور مہمیں روانہ ہوئیں، اور ان سب کی تلاش و جستجو سے دو سو ہڈیوں کا ذخیرہ تحقیق کے لئے فراہم ہو گیا، اس ڈھانچہ کی تیاری کے بعد معلوم ہوا کہ یہ جانور تقریباً اٹھارہ فٹ اونچا اور تیس فٹ لمبا تھا، اور اسکی شکل موجودہ گینڈے سے ملتی جلتی تھی، سر چھوٹا اور گردن بڑی تھی، وزن کا تخمینہ بیس ہزار پونڈ کیا گیا ہے، اس کا روزانہ چارہ کم سے کم پانچ سو پونڈ تھا،

ماؤنٹ ایورسٹ کی آیندہ مہم

ماؤنٹ ایورسٹ کمیٹی نے اعلان کیا ہو کہ اسکی آیندہ مہم ۳۶-۱۹۳۵ء میں روانہ ہوگی، اسکے لئے حکومت تبت سے اجازت حاصل کر لی گئی ہو، پہلی مہم ۱۹۲۱ء میں روانہ ہوئی تھی، دوسری ۱۹۲۲ء میں اور تیسری ۱۹۲۴ء میں، تیسری مہم میں جب چڑھائی صرف اٹھارہ سو فٹ کی اور باقی رہگئی تھی، اسکے دو رکن مسٹر ملوری (MALLORY) اور مسٹر اروِن (IRVIN) ہلاک ہو گئے تھے، چوتھی مہم ۱۹۳۳ء میں روانہ ہوئی تھی، لیکن موسم کی غیر معمولی شدت اور خرابی سے اسکو ناکام لوٹ آنا پڑا، البتہ اسی سال ہڈسن (HUDSON) کی مہم ہوائی جہاز کے ذریعہ ایورسٹ کی چوٹی کے اوپر پہنچ گئی، اور وہان سے اوسنے کچھ تصویرین بھی لیں،

"ع ز"

ادبیات

فیوض الحرمین

از

حاج الحرمین الشریفین ڈاکٹر سر نواب مزمل اللہ خان بہادر بقاۂ

جناب سر نواب مزمل اللہ خان بہادر کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح دنیاوی مناصب و اعزازات سے مفتخر فرمایا ہے، اوسی طرح دین کے فیوض و برکات سے بھی اُن کو مالا مال فرمایا ہو، امسال وہ حج کیلئے حجاز تشریف لے گئے تھے، واپسی میں اڈیٹر معارف کے تہنیت نامہ کے جواب میں موصوف نے حسب ذیل کرمنامہ لکھا، جسکے مطالعہ کی لذت میں ہم ناظرین معارف کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں،

"س"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

والانامہ سامی موصول ہو کر باعثِ فخر و مباہات ہوا، جزاکم اللہ فی الدارین خیرا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ، کہ خدائے تعالیٰ نے میری دیرینہ آرزو کو اپنے فضل و کرم کیساتھ بخوش اسلوبی تمام پورا کیا، جو کیفیت اس سفر مبارک کے اثر سے مجھ پر طاری ہوئی ہو اس کا بیان میرے امکان سے باہر ہے، بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ ساٹھ سال سے اس ارضِ مقدس کے متعلق جو حالات سُنے، اور پڑھے تھے، وہان جا کر جو کچھ دیکھا، اوس کے سامنے وہ سب ایک فسانہ نظر آیا، اور بے اختیار زبان پر یہ شعر آگیا کہ ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم،

وز ہر چہ دیدہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم،

حسرت یہ رہی کہ ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد،

روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد،

.... تقریباً تین سال ہوئے، ہاتفِ غیب نے رویائے صادقہ میں اس سفر کی جو پیشینگوئی کی تھی، اور اب امسال اوس کی جو تعبیر نکلی، اونھوں نے نظم کا قالب اختیار کر لیا، تعبیر ایک رباعی اور ایک قطعہ میں ادا ہوئی ہے، پہلی مقامِ جلال و جبروت میں عرض کی تھی، اور ثانی الذکر مقامِ رحمت و عظمت میں جناب کی شان اور مہربانی بے پایاں کی بنا پر ان کو ہدیہ پیش کرتا ہوں، ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

نیاز مند باخلاص

عاصی مزمل اللہ

خواب

ماضی

امشب بخواب در حرمِ کعبہ بودہ ام | بر آستانہ ناصیہٗ عجز سودہ ام

جانم فدائے لذتِ این خواب خوشگوار | مزمل این چہ گوئے سعادت ربودہ ام

—————.—————

در خواب حج نمودہ ام و کعبہ دیدہ ام | در دامنِ مراد گلِ شوق چیدہ ام

یارب چنیں بکن بطفیلِ حبیبِ خویش | بیدار ہم آنچہ کہ در خواب دیدہ ام

(ہر دو شب مابین ۵ و ۶ اگست ۳۳ء)

تعبیرِ خواب

حال

(مکہ مکرمہ)

چل سال زیستم بہ امیدِ وصالِ تو | دیدم بخواب لیلی بطحا! جمالِ تو،

امروز از عطائے خداوند ذو المنن | دستِ من است و دامنِ جاہ و جلالِ تو،

(مدینہ منورہ)

شہا شاہنشہا اے جانِ مزمل فدائے تو | دعائے حاضری کردم چہل سال از خدائے تو

بحمد اللہ کہ اینک حاضرم بر عتبہٗ عالی | کفِ جود و سخائے تست و دامانِ گدائے تو

حسرتِ دیدار

از

جناب آسد ملتانی، بی اے،

کیا غم ہے جو دنیا سے پریشان گئے ہم | دنیا کی حقیقت کو تو پہچان گئے ہم،

یہ بزم بھی نکلی نہ بہ اندازۂ اُمید | آئے تھے بصد شوق پشیمان گئے ہم،

لائے تھے عدم سے ترے دیدار کی حسرت | دنیا سے بھی لیکر یہی ارمان گئے ہم،

شہ رگ سے قریب اور حدِ ادراک سے باہر | اس تیرے عجب قرب کے قربان گئے ہم،

تو جان ہے اور جان نظر آ نہیں سکتی،

بس جان گئے جان گئے جان گئے ہم،

—————.—————

بَابُ التَّقرِیظِ وَالاِنتِقَادُ

بال جبریل

مصنفہ ڈاکٹر سر محمد اقبال ناشر تاج کمپنی، برانڈرتھ روڈ لاہور قیمت تین روپے

اردو کی یہ خوش قسمتی ہو کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے بانگِ درا کے بعد جو اون کے پُرانے اردو کلام کا مجموعہ ہو اب بالِ جبریل کے نام سے اپنے نئے اردو کلام کا مجموعہ شائع فرمایا ہے، ڈاکٹر صاحب نے اپنی شاعری کا آغاز گو اردو شاعری کی حیثیت سے کیا، مگر ادھر کم از کم بیس برس سے وہ اپنے سامعین کی وسعت، اور دنیاے اسلام کے ایک بڑے حصہ تک اوسکو پہنچانے کی خاطر، نیز اپنے حکیمانہ اسلامی خیالات کو مناسب پیرایۂ بیان میں ادا کرنے کیلئے فارسی میں اظہار خیال کرنے لگے، اور مولانا روم کی رہنمائی میں آسمانون کی سیر فرماتے رہے، اب بالِ جبریل کی مدد سے وہ پھر زمین میں اترے ہیں، مگر اس زمین پر بھی وہ آسمانون ہی کے لئے آمادۂ پرواز ہیں،

بالِ جبریل تین حصون پر منقسم ہے، پہلا حصہ ۱۶ نظموں کا مجموعہ ہے، اور ۳۶ صفحوں میں تمام ہوا ہے، ان نظموں میں بندۂ و خدا میں ناز و نیاز، گلہ و شکوہ، اور دعا و مناجات کے مختلف مناظر ہیں، اور ہر نظم میں شاعر بندہ نے طرح طرح سے خداوند جل و علا کی شانِ غیوری کو حرکت میں لانے کی کوشش کی ہے، کہیں وہ روٹھا ہے، کہیں رو رہا ہے، کبھی سجدہ میں گر پڑا ہے، اور کبھی اکڑ کر تن گیا ہے، اور اپنی بندگی و عبودیت پر اترا رہا ہے، اور پھر فوراً ہی اپنی عاجزی و درماندگی کی ساری بساط کو اس بارگاہِ بے نیاز میں نذر لاتا ہے، اور اس ساری گفتگوے رندانہ میں فقیہ شہر کے فتوون سے وہ علانیہ بے پروا ہے، اس حصہ کا خاتمہ اس شعر پر ہے:-

چپ رہ نہ سکا حضرتِ یزداں میں بھی اقبال
کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند،

دوسرا حصہ ۷۱ نظمون اور ۹۳ صفحوں پر مشتمل ہے، اسکی اکثر نظمیں ہندوستان سے باہر کابل، فلسطین، اسپین اور یورپ کے شہرون میں کہی گئی ہیں، ان میں زیادہ تر مسلمانون کو دنیا میں انکا اصل مقام بتانے اور اسلام کا حقیقی پیغام پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے، کبھی غزنین میں سنائی کے مزار پر، کبھی قرطبہ کی مسجد میں، کبھی فلسطین کے بیت المقدس میں، اور کبھی یورپ کے تماشا گاہون میں شاعر کو مسلمانون کی ناخود شناسی پر رونا آتا ہے، کبھی وہ ان کو سمجھاتا ہے، کبھی شرماتا ہے، کبھی دھمکاتا ہے، کبھی رلاتا ہے، اور ہر طرح کوشش کرتا ہے، کہ مسلمان اپنی حقیقت کو سمجھیں اور اسلام کا پیغام لیکر وہ پھر پہناے ارض کے گوشہ گوشہ میں دوڑ جائین،

ان دو گذشتہ حصون کی نظمیں عنوانات سے خالی ہیں، انکی جگہیں اعداد نے لی ہیں، لیکن تیسرے حصہ میں جو صفحہ ۱۳۲ سے صفحہ ۲۲۴ تک پھیلا ہے، مختلف عنوانات کے تحت میں بعض طویل اور اکثر مختصر منظومات ہیں، اس کا آغاز اوس دعا سے ہے، جو قرطبہ کی مسجد میں بیٹھکر لکھی گئی ہے، پھر مسجد قرطبہ کے عنوان سے چند صفحون کا ایک ترکیب بند ہے، پھر قید خانہ میں معتمد کی فریاد، عبد الرحمٰن اول کا بویا ہوا کھجور سرزمین اندلس میں، ہسپانیہ، طارق کی دعا، لینین خدا کے حضور میں، فرشتون کا گیت، فرمانِ خدا، ذوق و شوق، پروانہ اور جگنو، جاوید کے نام (جاوید سلمہ اللہ ڈاکٹر صاحب کے عزیز فرزند کا نام ہے) گدائی، ملا، اور بہشت، دین و سیاست، الارض للہ، ایک نوجوان کے نام، نصیحت، لالۂ صحرا، ساقی نامہ، زمانہ، آدم کا جنت سے رخصتانہ، روح ارضی کا آدم کو استقبال، پیری و مریدی، وغیرہ عنوانات سے سینکڑوں حکیمانہ و عارفانہ خیالات ہیں، جنھوں نے نظم کا قالب اختیار کرلیا ہے،

بالِ جبریل کی نسبت سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اسمیں شاعر نے بانگِ درا سے بڑھکر اپنی شاعرانہ صنعت سلاست، روانی، بے تکلفی، اور زبان کی صحت میں حیرت انگیز کامیابی کا ثبوت دیا ہے، اور عجب نہیں کہ بالِ جبریل کو دیکھکر لکھنؤ اور دہلی کے صنعت گر سخنور بھی پنجاب کے سخندان کا لوہا مان لیں، زبان میں غزل کی سی شیرینی

تو نہیں، مگر قصائد کی سی جزالت اور متانت پوری طرح موجود ہے،

معنوی حیثیت سے بال جبریل گو بانگ درا کی طرح جذبات سے معمور نہیں، جسکے پڑھنے سے طبیعت میں جوش وخروش و ولولہ آمادگی پیدا ہو، لیکن حکمت و معرفت اور نکتہ رسی و حقیقت شناسی کے انمول موتیوں سے اسکے دامن بھرے ہیں، اسکے پڑھنے سے جوش و ولولہ نہیں جو جوانی کا خاصہ، بلکہ اپنی حالت پر غور و فکر کا احساس پیدا ہوتا ہے، جو عمر کی سنجیدگی اور طبیعت کی پختگی کا اقتضا ہے، خیالات میں رفعت، اسرار الٰہیات کی ترجمانی میں حکیمانہ گہرائی، اجتماعیات میں حیاتِ اسلامی کی روح کی صحیح معرفت، مسلمانوں کے سامنے ان کی معیاری زندگی کی اصلی تصویر کشی، اور "نوجوانانِ سعادتمند" کے پند و نصیحت میں "پیر دانا" کی سی مشفقانہ حکمت آموزی ہے،

ایک نظم کا عنوان "روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے" ہے، اسکے نیچے ذیل کی نظم ہے،

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ ۔۔۔ مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ ۔۔۔ ایامِ جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ،

بے تاب نہ ہو، معرکۂ بیم و رجا دیکھ

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں ۔۔۔ یہ گنبدِ افلاک، یہ خاموش فضائیں،

یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں، ۔۔۔ تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ،

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے ۔۔۔ دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے

ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے ۔۔۔ پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے

تعمیرِ خودی کر، اثرِ آہِ رسا دیکھ

خورشیدِ جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں ۔۔۔ آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں،

جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں ۔۔۔ جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں

اے پیکرِ گِل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ،

نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے، ۔۔۔ تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے،

تو پیرِ صنم خانۂ اسرار ازل سے ۔۔۔ محنت کش و خوں ریز و کم آزار ازل سے،

ہے راکبِ تقدیرِ جہاں تیری رضا دیکھ،

اس نظم سے اندازہ ہوگا، کہ ڈاکٹر اقبال کی شاعری نے خیالات کے علاوہ زبان کی سادگی اور سلاست میں بھی کس حدتک ترقی کی ہے، ایک اور نظم کا عنوان "پیر و مرید" ہے، پیر کون؟ وہی مولانائے روم اور مرید شاعر، مرید سوال کرتا ہے، اور پیر جواب دیتا ہے، بعض جوابی شعر خود مولانا رومی کے ہیں، مرید عرض کرتا ہے:۔

چشمِ بینا سے ہے جاری جوئے خوں، ۔۔۔ علمِ حاضر سے ہے دیں زار و زبوں

مولانا جواب میں فرماتے ہیں،

علم را بر تن زنی مارے بود، ۔۔۔ علم را بر دل زنی یارے شود،

مرید کہتا ہے:۔

سرِ دیں ادراک میں آتا نہیں، ۔۔۔ کس طرح آئے قیامت کا یقیں،

پیر روشن ضمیر جواب دیتے ہیں:۔

پس قیامت شو قیامت را ببیں، ۔۔۔ دیدنِ ہر چیز را شرط است ایں،

مرید پوچھتا ہے،

کس طرح قابو میں آئے آب و گل ۔۔۔ کس طرح بیدار ہو سینہ میں دل

پیر بتاتے ہیں:۔

بندہ باش و بر زمیں رو چون سمند، چون جنازہ نے کہ بر گردون برند،

اسی طرح ایک دلچسپ مکالمہ جبریل اور ابلیس کے درمیان ہی،

آج کل کے نوجوانوں کے نام ایک "پیغام" ہے، جس میں ایک مسلمان نوجوان کو اوس کا حقیقی مقام بتایا گیا ہے،

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالین ایرانی لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

امارت کیا، شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں،

کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی'

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہی جوانوں میں نظر آتی ہی اوس کو منزل اپنی آسمانوں میں

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفان ہی امید مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر

تو شاہیں ہی بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

اسلام میں دین و سیاست کی آمیزش کا فلسفہ کس خوبی سے ادا کیا ہی،

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی سماتی کہاں اس فقیری میں میری

خصومت تھی سلطانی و راہبی میں، کہ وہ سربلندی تھی، یہ سربزیری

سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا، چلی کچھ نہ پیرِ کلیسا کی پیری

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی ہوس کی امیری ہوس کی وزیری

دوئی ملک و دیں کے لئے نامرادی دوئی چشمِ تہذیب کی نابصیری،

یہ اعجاز ہے ایک صحرانشیں کا، بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری

عزیزی جاوید سلمہ اللہ تعالیٰ کے نام شاعر باپ کا ایک خط ہے، جس کو ہر مسلمان بیٹے کی نظر سے گذر جانا چاہیے،

خودی کے ساز میں ہے عمرِ جاوداں کا سراغ خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ

یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود ہزار گونہ فروغ و ہزار گونہ فراغ

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ

حیا نہیں ہے زمانہ کی آنکھ میں باقی خدا کرے کہ جوانی رہے تری بے داغ

ٹھہر سکا نہ کسی خانقاہ میں اقبالؔ کہ ہے ظریف و خوش اندیشہ و شگفتہ دماغ

پروانہ اور جگنو کا یہ مختصر مناظرہ کتنی اخلاقی بلندی کا آئینہ دار ہے،

پروانہ کہتا ہے،:-

پروانے کی منزل سے بہت دور ہی جگنو کیوں آتشِ بے سوز پہ مغرور ہے جگنو

جگنو کا جواب ہے،:-

اللہ کا سو شکر کہ پروانہ نہیں میں، دریوزہ گرِ آتشِ بیگانہ نہیں میں،

اقبالؔ کی اصلی تعلیم، اور جذبات کی صحیح جلوہ نمائی حسب ذیل نظم میں ہی،

میرِ سپاہ ناسزا، لشکریاں شکستہ صف آہ وہ تیرِ نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف

تیرے محیط میں کہیں گوہرِ زندگی نہیں ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف

عشقِ بتاں سے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوب جا نقش و نگارِ دیر میں خونِ جگر نہ کر تلف

کھول کے کیا بیاں کروں سرِ مقامِ مرگ و عشق عشق ہے مرگِ باشرف، موت حیاتِ بے شرف

صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش، لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف،

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی ٭ اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ ٭ سرمہ ہے، میری آنکھ کا خاکِ مدینہ ونجف

یہ چند نظمیں نمونہ کے طور پر بے انتخاب پیش کی گئی ہیں، اس مجموعہ کی ہر نظم اسی قدر دلآویز اور نصیحت آمیز ہے، ڈاکٹر صاحب کی ہر تصنیف میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ہے، اور بالِ جبریل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بے حد پرواز ہے،

"س"

خیام

خیام کے سوانح تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رُباعی کی تاریخ اور رُباعیاتِ خیام پر مفصل مباحث، اور آخر میں خیام کے چھ عربی وفارسی رسالوں کا ضمیمہ، اور اوس کے قلمی رباعیات کے نسخہ کی نقل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، مکمل، اور حتی المقدور محققانہ یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے، ضخامت ۵۰۲ صفحات، کتابت وطباعت وکاغذ اعلیٰ،

قیمت غیر مجلد ہے، مجلد للعہ

عرب کی موجودہ حکومتین

یہ عجیب بات ہے، کہ جزیرۃ العرب کے ساتھ مذہبی تعلق وعقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانوں کو نجد وحجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصّون اور حکومتون کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے اسلئے اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابلِ ذکر حکومتون، نجد وحجاز، عسیر ویمن، نجج، نواحی تسعہ، بحرین، کویت اور فلسطین وشام کے مختصر جامع حالات، جمع کر دئے گئے ہین، ضخامت ۱۰۰ صفحے،

قیمت :- عہ

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

وحی محمدی، ترجمہ مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی، ناشر جناب قاضی سید محمد عبد الغفور صاحب نقوی، کتب خانہ دار الاشاعت نمبر ۱ ابو اسٹریٹ، کلکتہ، حجم ۵۰۰ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۱عہ،

یہ علامہ سید رشید رضا مصری کی کتاب الوحی کا اردو ترجمہ ہے، اس کا اصل موضوع قرآن کی تعلیمات اور اسلام کی حقانیت کو یورپ اور یورپی تعلیم یافتہ جماعت کے سامنے پیش کرنا ہے، اس میں اولاً وحی الٰہی کا مفہوم بتایا ہے اور وحی کی حقیقت پر جو عقلی اعتراضات کئے جاتے ہین انکا رد کیا ہے، پھر اسلام کا موازنہ دوسرے ادیان سے کرنیکے بعد قرآن مجید کے وجوہ اعجاز دکھائے ہیں پھر اسلام کے حقائق وتعلیمات مختلف ابواب میں پیش کئے ہیں، ابتدائی ابواب میں ایمان وقیامت، عمل صالح، اور نبوت ورسالت کی تشریح ہے، پھر اسلام کے دین فطرت ہونے اور اس کے اجتماعی وسیاسی اصلاحات پیش کرنے کا ذکر ہے، پھر اسلام کے عبادات واحکام کی غرض وغایت اور اوس کے فرمانروائی کے اصول مقرر کرنے کا تذکرہ ہے، پھر اسی طرح اسلام اور دولت، اسلام اور جنگ، اسلام اور غلامی، اور اسلام میں عورتون کے مرتبہ پر سیر حاصل بحثیں ہیں، اور ان مسائل میں مستشرقین کے اعتراضون کا رد کیا ہے، آخر میں عقل وانسانیت کے نام پر یورپ امریکہ اور جاپان کے منکرین کو اسلام کی عام دعوت دی گئی ہے،

یہ کتاب عالم اسلامی کے مستند صاحبِ علم مفکر کے مطالعہ اور غور وفکر کے نتائج میں ہے، اور ان کے لائق شاگرد مولانا عبد الرزاق شکریہ کے مستحق ہیں، کہ انھون نے اوسے صاف وسلیس اردو میں منتقل کیا،

تنقیدات عبد الحق، جامع جناب محمد تراب علی خانصاحب باز، ۱۷۹ صفحات تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۲؍ پتہ کاشانۂ باز، بازار گھانسی، حیدرآباد دکن،

مولوی عبد الحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو نے اردو کی ناقابلِ فراموش خدمت انجام دی ہے، موصوف کے مضامین کا بڑا ذخیرہ مقدمات و تنقیدات میں تھا، ایک صاحب نے ان کے مقدموں کا مجموعہ دو جلدوں میں شائع کیا تھا، اب انکی تنقیدوں کا یہ مجموعہ چھاپا گیا ہے، اس میں اردو ادب، تذکرہ، تاریخ ادب [illegible] کی ۲۴ کتابوں پر تنقیدیں ہیں، جو رسالہ اردو میں ۲۲ء سے ۳۲ء تک شائع ہوئی ہیں،

[illegible] ناشر شعبہ تالیف و ترجمہ انجمن اہلحدیث، برانڈرتھ روڈ لاہور، ۵۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت [illegible]، لکھائی چھپائی اچھی، مجلد خوبصورت،

ان دنوں قادیانی مذہب کے رد میں اردو مطابع سے بکثرت اچھی کتابیں نکل رہی ہیں، یہ کتاب منشی عبد اللہ صاحب معمار امرتسری کے قادیانی لٹریچر کے گہرے مطالعہ کا نتیجہ ہے، موصوف "قادیانیات" کے کہنہ مشق عالم ہیں، اور سالہا سال سے اردو کے مشہور مذہبی اخبار اہلحدیث میں اپنے نتائج پیش کرتے رہے ہیں، انجمن اہلحدیث لاہور قادیانیت کے رد میں مولانا حافظ محمد حسن صاحب امام جامع مبارک لاہور سے ایک رسالہ مرتب کرا رہی تھی، مگر موصوف کے انتقال کی وجہ سے اسکی تکمیل نہ ہو سکی، تو انجمن مذکور نے منشی محمد عبد اللہ صاحب معمار امرتسری موصوف سے اس سلسلہ کی تکمیل کرائی، اور اسے "احمدیہ پاکٹ بک" کے وزن پر محمدیہ پاکٹ بک کے نام سے شائع کیا، اول الذکر کتاب میں مرزا صاحب کی چند الٹی سیدھی پیشینگوئیاں درج کر کے ان سے ان کی صداقت پر ثبوت لایا گیا تھا، اس کے جواب میں محمدیہ پاکٹ بک میں مرزا صاحب کی تصنیفات اور قادیانی لٹریچر سے بکثرت پیشینگوئیاں جمع کی گئی ہیں، اور انھیں واقعات دلائل اور شواہد سے ناقابلِ رد طریقہ پر دکھایا ہے کہ وہ غلط اور خلاف واقعہ نکلیں، اکثر موقعوں پر مرزا صاحب نے پیشینگوئیوں کے غلط ٹھہرنے پر تاویلیں کی تھیں، فاضل مؤلف نے دلائل سے ان تاویلوں کا پردہ بھی چاک کیا ہے، بحث ختم نبوت

حیاتِ مسیح اور نزولِ مسیح وغیرہ متعلقہ مسائل پر دلچسپ بحثیں ہیں،

یہ کتاب صحیح مناظرانہ اصولوں پر لکھی گئی ہے، طریق استدلال پر زور طرز ادا دلچسپ، اور لب ولہجہ متین اور سنجیدہ ہے،

شمامۃ العنبر، مرتبہ جناب سید محمد ذوقی ۲۵۶ صفحے قیمت ۲؍ پتہ جناب محمود الرحمٰن صاحب وارثی، ابن سید خلیل الرحمٰن صاحب ڈپٹی کلکٹر، ڈاکخانہ کرائے پرسرائے، ضلع پٹنہ،

یہ مولانا حاجی سید شاہ وارث حسن صاحب کوڑہ جہان آبادی (مقیم لکھنؤ) کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس میں تصوف، اخلاق اور موعظت کے مسائل بیان کئے گئے ہیں، اور شروع میں موصوف کے سوانح حیات بھی درج ہیں، مرتب نے مسائل و مضامین مختلف عنوانوں میں تقسیم کر دئے ہیں، نیز مطالب کی ایک دوسری فہرست بہ ترتیب حروف تہجی مرتب کی ہے،

تشریح وبیان علم موسیقی، از جناب محمد عبد الباقی صاحب طابع قومی پریس ویرابلی اسٹریٹ، منگلور، بنگلور، حجم ۱۶۴ صفحے، قیمت عہ،

یہ رسالہ فنِ موسیقی کے بیان میں ہے، مقدمہ میں مختلف قوموں اور ملکوں میں موسیقی کا رواج دکھایا ہے، پھر چند ابواب میں موسیقی کے راگ اور راگنیاں لکھی ہیں، مختلف سازوں کے بجانے کے طریقے بتائے ہیں، اور آخر میں موسیقی کے چند اوزان پر غزلیں درج کی ہیں،

فاتح مصر از مولوی ابو محمد امام الدین صاحب رام نگری ناشر مسلم اکاڈمی، پھلواری شریف پٹنہ ۱۳۹ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۱۰؍

اس میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے سوانح حیات مختصراً لکھے گئے ہیں،

ضروری کہانیاں، از جناب قاضی عبد الصمد صاحب سیوہاروی ۴۸ صفحے قیمت ۴؍ پتہ مولوی محمد ادریس صاحب میرٹھی، مکتبہ شرقیہ دہلی،

ایمیں طلبہ کیلئے چند سبق آموز تاریخی قصے اور کہانیاں ہین،

دروس فارسی حصہ سیوم، از جناب ابو المحاسن صاحب صاحب مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ، حیدرآباد دکن ۱۲۱ صفحے قیمت ۱۴ر

مؤلف نے حیدرآباد کے مدارس کیلئے فارسی ادب کی درسی کتابون کا ایک سلسلہ لکھا ہے، اس کا یہ تیسرا حصہ ہے، اس میں قدیم وجدید نظم ونثر کے منتخبات درج ہین، رسالہ چھٹی جماعت کے طلبہ کے لئے ہی،

رہنمائے عربی، از مولوی فضل اللہ خان صاحب شاہجہان پوری، ناشر علمیہ بک ڈپو، بھنڈی بازار بمبئی، نمبر ۹ حجم ۱۱۲ صفحے، قیمت ۱۰ر

اس میں عربی نحو وصرف کے قواعد سہل اور عام فہم انداز میں لکھے گئے ہیں، نیز ان قواعد کی مشق اور عربی ادب واملا کی تعلیم کے لئے ہر سبق کے ساتھ مشق درج ہے، یہ مشقیں مفید اور کارآمد ہیں،

شوریہ چمتکار، از جناب لالہ دیوان سنگھ مختار، ماہر علاج شمسی، بلند شہر، ۲۰۰ صفحے قیمت عہ

موجودہ زمانہ میں سورج کی کرنون سے بیماریون کے علاج کا جو نیا طریقہ نکلا ہے، اسی موضوع پر یہ رسالہ شائع کیا گیا ہے، مؤلف کا بیان ہے کہ وہ ۱۲ سال سے اس کے کامیاب تجربہ مین مصروف ہین، اس میں ہر مرض اور اوس کے علاج کا نسخہ علحدہ علحدہ اسی طرح درج ہے، جیسے آجکل ہومیو پیتھی طریقہ علاج پر کتابیں لکھی گئی ہین، نیز شمسی طریقۂ علاج کی دوائیں تیار کرنے کے طریقے بھی لکھے ہیں، جنکے بنانے کیلئے صرف مختلف رنگوں کی شیشیون کی ضرورت ہوتی ہی،

دختر ہند، از جناب سید ظفر نیازی صاحب ناشر کامیاب بک ڈپو، دہلی، ۷۰ صفحے قیمت ۸ر

یہ ایک افسانہ ہے، جسمیں ہندوستانی گھرانون میں جیٹھانیون اور دیورانیوں کے تعلقات کشیدہ ہوجانے کو دکھایا ہی، اور باتون باتون میں اُن سے بچنے کے تدبیرین بتائی ہیں،

"س"